51

اقبالؒ اور ابنِ حلّاجؒ

کتاب الطواسین اور تصانیفِ اقبالؒ کا تقابلی مطالعہ

ڈاکٹر محمّد ریاض

UNIVERSAL BOOKS
102 Zulqarnain
Chambers
Ganpat Road, Lahore.

اسلامک بک فاؤنڈیشن
۲۴۹ این ـ سمن آباد ـ لاہور

۲۹۷۰۶
۱۹۸۱
۲-۹-۸۱

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۱۱

جملہ حقوق بحق اسلامک بک فاونڈیشن محفوظ ہیں

ناشر : ـــــ اسلامک بک فاونڈیشن - لاہور
طابع : ـــــ معارف پرنٹنگ پریس - لاہور
تقسیم کار : ـــــ المعارف - گنج بخش روڈ - لاہور
سالِ اشاعت : ـــــ ۱۳۹۷ھ ـــــ ۱۹۷۷ء
تعداد : ـــــ ایک ہزار
قیمت : ـــــ ۷/۵۰ روپے

بسعی واہتمام:

الحاج محمد ارشد قریشی القادری

ایم اے (اقتصادیات) ایم اے (علوم اسلامیہ)

اعزازی ڈائریکٹر : اسلامک بک فاونڈیشن

۲۴۹ - این سمن آباد - لاہور ○ فون ۴۱۵۲۴۷

واحد تقسیم کار: "المعارف" گنج بخش روڈ، لاہور

دانائے راز

متن

طواسین

ابنِ حلّاجؒ

فہرست طواسین

۱۔ طاسین سراجِ محمدیؐ
۲۔ طاسین فہم
۳۔ طاسین صفا
۴۔ طاسین دائرہ
۵۔ طاسین نقطہ
۶۔ طاسین ازل والتباس
۷۔ طاسین مشیّت
۸۔ طاسین توحید
۹۔ طاسین اسرار توحید
۱۰۔ طاسین تنزیہہ
۱۱۔ طاسین بوستان معرفت

حاشیہ

تصانیف

علامہ اقبالؒ

فہرستِ تصانیف

۱۔ مثنوی رموزِ بے خودی
۲۔ پیامِ مشرق
۳۔ زبورِ عجم
۴۔ جاوید نامہ
۵۔ بالِ جبریل
۶۔ ارمغانِ حجاز
۷۔ ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقاء
۸۔ اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیلِ نو
۹۔ مکتوباتِ اقبال کے مختلف مجموعے
۱۰۔ مقالاتِ اقبال

پیش لفظ

شیخ حُسین بن منصور حلّاج بَیضاوی متوفّی ۳۰۹ ھجری عالمِ تصوّف کی انتہائی معروف شخصیّتوں میں سے ایک اُور کسی تعارُف سے بے نیاز ہیں۔ ان کا نعرہ ' اناالحق ' آج تک توضیح طلب رہاہے۔ فرانسیسی مستشرق لوئی میسینو نے ابن حلّاج کے بارے میں مفصّل تحقیقات کی ہیں۔ کتابُ الطّواسین شیخ کی گفتار کا (توضیحی) مجموعہ ہے جسے اسی مستشرق نے ۱۹۱۳ء میں پیرس سے شائع کروایا تھا۔ یہ مجموعۂ گُفتار عربی اور فارسی دو زبانوں میں ہے۔ عربی متن مجہول المؤلّف ہے مگر فارسی میں ترجمہ شدہ عبارت شطّاح شیراز شیخ روزبہان دیلمی بقلی فسائی (م۔ ۶۰۶ ھجری) کے قلم سے ہے۔ کتابُ الطواسین میں دونوں زبانوں کی عبارات ملتی ہیں مگر کہیں کہیں صرف عربی یا فارسی متن ہے اور کسی ایک زبان کی عبارت مفقود ہے۔ بنابریں دونوں زبانوں کا متن تکملے کا کام دیتا ہے۔ ابن حلّاج کی شطحیاتی گفتگو کا شیخ روزبہان پر غیر معمولی اثر رہا ہے اور اس ضمن میں 'روزبہان نامہ' (مُرتّبہ محمّد تقی دانش پژوہ۔ تہران ۱۹۶۸ء) اُور 'احوال و آثار شیخ روزبہان' (دکتر محمد تقی میر، شیراز ۱۹۷۵ء) شواہد پیش کئے جاسکتے ہیں۔ ابن حلّاجؒ کی گفتار شیخ عطّارؒ کے تذکرۃ الاولیاء میں بھی دیکھی جاسکتی ہے مگر کتابُ الطّواسین بہرحال ایک کامل تر دستاویز ہے۔

کتاب الطواسین اقبالؒ کی محبوب ترین کتابوں میں سے ایک تھی اور آپ اکثر اسے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ (دیکھئے مکتوبات اقبال بنام سیّد نذیر نیازی، کراچی ۱۹۵۷ء) یہی وجہ ہے کہ علّامہ مرحوم کی تقریباً سب تصانیف میں اس کتاب کا ذکر اور انعکاس موجُود ملتا ہے۔ مگر یہ کتاب چُونکہ مُدّتوں سے کمیاب بلکہ نایاب ہے، اور اس کی زبان بھی ادق اور

مرموز ہے، اس لئے اقبال خوانوں کی ایک محدود تعداد ہی اس کے اثرات اور انعکاسات سے آگاہ ہوگی۔ بشیر احمد ڈار اور ڈاکٹر اینماری شیمل (مقدم الذکر اقبال اکادمی کے ایک سابق ڈائریکٹر ہیں اور مؤخر الذکر بون یونیورسٹی جرمنی کی ایک پروفیسر) نے اقبال اور ابن حلّاج کے روابط پر مقالے لکھے (ماہنامہ ماہِ نو، اقبال نمبر اپریل ۱۹۷۰ء) جو اپنی جگہ خوب ہیں شیمل صاحبہ کی انگریزی تالیف 'بالِ جبریل' (لیدن ۱۹۶۳ء) میں بھی اس موضوع پر اشارات موجود مگر تقابلی مطالعے کا ہر جگہ فقدان ہے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ ابن حلّاج اور اقبال کی گفتار کا تقابل ضروری ہے۔ ہم نے اہم تر موضوعات جیسے حقیقتِ محمدیہؐ، عشقِ رسولؐ، مقامِ صدّیقیت، خودی اور انالحق، وصال و فراق، آویزش خیر و شر اور ابلیس وغیرہ، پر گفتارِ ابن حلّاج کی مناسبت سے اقبال کی تصانیف میں سے منتخب اور مختصر اشارے حواشی میں سموئے ہیں۔ کتاب الطواسین کا اردو ترجمہ اسی غرض کے لئے پیش کیا گیا ہے۔ ترجمہ عربی متن کی رُو سے ہے مگر 'ف' اس علامت کی غمّاز ہے کہ عربی متن کے فاقد یا ناقص ہونے کے چند موارد میں فارسی عبارات کو اُردو کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ قوسین میں قرآن مجید کی سُورت کا شمارہ پہلے مذکور ہے اور اس کے بعد آیہ کریمہ کا شمارہ۔ راقم الحروف کو لوئی میسینو کی اس بات سے اتّفاق ہے کہ ابن حلّاج کی عارفانہ اور شطّاحانہ گفتگو چند مقامات پر ناقابلِ فہم ہے پریشان گفتاری کے اِن دو تین نمونوں کے سوا باقی باتیں معنی خیز اور عمیق ہیں۔ ان باتوں پر غور کرنے سے ابن حلّاج کی زبردست شخصیّت سامنے آجاتی ہے۔

لفظ طواسین، طاسین (طٰسٓ) کی جمع ہے اور یہ قرآن مجید کے حروفِ مُقطّعات میں سے ہے (دیکھیے: سورہ ۲۶ تا ۲۸)۔ ان حُروف کے معانی معلوم نہیں کئے جاسکتے ابنِ حلّاج نے اپنی تالیف کا نام 'کتابُ الطواسین' اس لئے رکھا کہ اس میں اسرار و رموز اور حقائقِ تصوّف کے مضمرات جمع کئے گئے ہیں۔ اقبال نے جاوید نامہ کے 'فلک قمر' پر 'طواسین رسل' کا عُنوان قائم کر کے بُدھ مذہب، زرتشتیت، عیسائیّت اور اسلام

کی اساسی تعلیمات کے مضمرات پر روشنی ڈالی ہے۔

مشترک موضوعات پر ایک نظر

ابن حلاّج کے قول 'اناالحق' کی ایک تعبیر نے انہیں حوالۂ دار کروایا تھا۔ متأخّر دور میں صوفیہ نے اس قول کی مختلف تعبیرات و توجیہات پیش کیں مگر اکثر مُرادات وحدت وجود کے نُقطۂ نظر سے تھیں اور ان میں حاجب قول کو فنافی اللہ یا واصل باللہ بتایا جاتا رہا۔ لُبّ لباب یہ ہے کہ اس فنافی الحق صُوفی نے 'اناالحق' کہہ دیا تھا مگر اقبال کے نزدیک اس قول کا مفہوم یہ تھا کہ 'انا' یا خودی یا 'من' حق ہے (اناالحق) اس کی بقا ضروری ہے۔ اس مُناسبت سے اُنہوں نے شیخ محمُود شبستری تبریزی (م۔ ۷۲۰ھ) کی معروف مثنوی 'گلشن راز' کا جواب 'گلشن راز جدید' (ضمیمہ زبُورِ عجم) کی صورت میں دیا ہے۔ اقبال کے نزدیک ابن حلاّج خودی اور بقائے خودی کے علمبردار تھے۔ یہ بات معمُولی نہیں کیونکہ مولانا روم سے قبل ابن حلاج ہی وہ واحد صوفی تھے جنہیں اقبال ابقائے خودی کا حامی کہتے ہیں۔ مثنوی اسرار خودی کے سب سے پہلے ایڈیشن ۱۹۱۵ء کے اُردو دیباچے میں اقبال نے خودی کی توضیح کی خاطر محسن تاثیر تبریزی (م۔ ۱۱۳۱ھ) کے مندرجہ ذیل شعر سے بھی استشہاد کیا تھا کہ :

عزیق قلزم وحدت دم از خودی نزند
بود محال کشیدن میان آب نفس

اقبال کی خودی (تعمیرِ شخصیّت) کا تکملہ بیخودی (تعمیرِ ملّت) سے ہے اس لئے انہوں نے اناالحق کی ملّی تعبیر و تفسیر (ارمغانِ حجاز) بھی پیش کی ہے - ان کی نظر میں اب اناالحق کے نعرے کی ضرورت نہیں، ہاں 'انا من ملّت الحق' کا مصداق بننے کی احتیاج ہے۔

حقیقتِ محمّدیہ صلعم کی عاشقانہ توجیہات بھی کتاب الطواسین میں موجود ہیں۔ اقبال بھی چونکہ عشقِ رسول کی متاعِ لازوال سے مالامال تھے، اس لئے انہوں نے ان توجیہات کو جاوید نامے (فلک مشتری) میں سمو دیا بلکہ ان پر ایمان افروز اضافے بھی کئے ہیں۔ اس کے

علاوہ 'اسرار و رموز' میں بھی نبوت اور صدیقیت کے مقامات کا دلپسند بیان بھی کتاب الطواسین کا سا ہے۔

ابقائے خودی کی خاطر اقبال صوفیہ کی 'وصال' کی تعبیر کے مؤید نہ تھے۔ وہ قطرے کو دریا میں فنا کرنا ناصواب جانتے تھے۔ ہاں قطرے کو دریا بنانا (تخلقوا باخلاق اللہ) ان کا مقصود تھا۔ اس مناسبت سے انہوں نے جدائی و فراق کو وصال و اتصال سے بہتر قرار دیا ہے۔ عقل و خبر پر عشق و نظر کی برتری ایک دوسرا موضوع ہے جس پر اقبال نے بہت لکھا۔ یہ دونوں موضوعات بھی کتاب الطواسین میں مشترک ملتے ہیں۔

بعض ضمنی اور فروعی باتوں سے قطع نظر (حواشی میں ان امور کو بھی دیکھا جا سکتا ہے) کتاب الطواسین اور تصانیفِ اقبال کے اہم مشترکات میں 'ابلیس' کا ذکر بھی ہے۔ (اقبال کے تصوراتِ ابلیس کے بارے میں راقم الحروف نے سہ ماہی اقبال لاہور کے اکتوبر ۱۹۶۹ء کے شمارے میں لکھا تھا)۔ ابن حلاج، اپنی صوفیانہ حکمت دوستی کے پیش نظر ابلیس و شیطان کے لئے دل میں ایک گوشۂ نرم بھی رکھتے تھے۔ شیخ عطار نیشاپوری (مثنوی الٰہی نامہ مقالہ ۸) اور کئی دوسرے صوفیہ کے ہاں بھی یہی روش نظر آتی ہے۔ ان کے ہاں ابلیس کی اس افادیت پر زور دیا گیا ہے کہ وہ توحید و اطاعتِ خداوندی کا مظہر کامل ہے (غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا)، اس نے تکاملِ ذات کی خاطر جدائی کا تصور دیا اور شر کی رزمگاہ گرم کر کے حامیانِ خیر و نیکی کو فعال اور مصروفِ عمل کئے ہوئے ہے۔ اقبال کے ہاں ابلیس کا ایک زیادہ بھرپور تصور موجود ہے، مگر ابن حلاج کی مندرجہ بالا توجیہات بھی اس تصور کا جزو ہیں۔

بہر حال، اقبال کی صد سالہ تقریباتِ ولادت ۹ نومبر ۱۹۷۷ء کی مناسبت سے اقبال اور ابن حلاج کے مختصر تقابلی مطالعے پر یہ مختصر کتاب شائع کی جا رہی ہے۔ جناب الحاج محمد ارشد قریشی کا تہ دل سے ممنون ہوں کہ وہ ان اوراق کو شائع فرما کر مترجم و محشی کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد ریاض - اسلام آباد

طاسین سراجِ محمدیؐ

۱۔ (حسین بن منصور، حلاجؒ نے فرمایا :۔ طاسین محمدیؐ ایک چراغ تھا جو غیب کی روشنی کے ساتھ نمودار ہوا اور دوبارہ غیب میں چلا گیا۔ یہ چراغ اپنے ہمسر چراغوں سے آگے نکل گیا۔ وہ چاند سے منوّر تر اور اس کی روشنی کا سرِ زد۔ بنا۔ اس نے نورانی کرنوں کو تجلی دی وہ ایسا خدائی ستارہ تھا جس کا برج اسرار کے فلک میں تھا۔ خدائے تعالیٰ نے ہمت افزائی کی خاطر اسے "اُمّی" اپنی نعمتوں کی تکریم کی خاطر حرمی اور اپنے نزدیک اسے تمکن دینے کے لیے "مکی" کہا ہے۔

۲۔ خدا نے نبیؐ کی شرح صدر فرمائی، آپؐ کا مرتبہ بلند کیا اور آپؐ کا وہ بوجھ دور کر دیا جس نے ان کی کمر جھکا کے رکھ دی تھی (قرآن مجید ۲ / ۹۴) نبیؐ کے حکم کی اطاعت واجب کر دی گئی، اور آپ کے بعد کو یمامہ کے بادلوں سے باہر لایا گیا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کے آفتاب کو تہامہ (شرقِ حجاز) سے طلوع فرمایا اور یوں آپ کا نورِ عظمت کی معدن کے باہر آ کر چمکنے لگا۔

۳۔ کتنے ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت کا ذکر کیا ہے۔ جس کسی نے آپؐ کی سنّت پر عمل کرنے کا کہا، اس نے آپؐ کی سیرتِ حقّہ کی متابعت کا کہا، اور جس کسی نے آپؐ سے روگردانی کی' وہ وبال میں پھنسا"۔ نبی اکرمؐ نے جو دیکھا ہے، اس کی خبر دی ہے۔ آپؐ نے پہلے دلیل دی ہے، پھر (مناہی سے) منع فرمایا ہے۔

---

(۱) مثنوی رموزِ بیخودی میں اقبالؒ اپنے والد مغفور کی زبانی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور مثنوی رومیؒ کے ایک شعر کی تضمین فرما [illegible] تھا مہر رحمۃ للعالمین کی ذات گرامی آ۔

۴۔ ازروئے تحقیق، حضرت صدیق (ابوبکر) سے بہتر کسی نے نبی کو نہ پہچانا۔ (۲)
جنابِ ابوبکرؓ نے پہلے نبیؐ سے مناسبتِ طبع پیدا کی پھر ان کی رفاقت اختیار فرمائی
ان دونوں کی رفاقت (کے راز و نیاز) میں کوئی دوسرا شریک نہ تھا۔

بقیہ:۔ (۱) غنچہ از شاخسارِ مصطفےٰ گل شو از بادِ بہارِ مصطفیٰ
از بہارش رنگ و بو باید گرفت بہرۂ از خلق او باید گرفت
مرشدِ رومی چہ خوش فرمودہ است آنکہ یم در قطرہ اش آسودہ است
"مگسل از ختم الرسلؐ ایام خویش تکیہ کم کن بر فن و برگام خویش

ترجمہ:۔ آپ حضرت محمد مصطفیٰ کی ڈالی کی ایک کلی ہیں۔ ان کی بادِ بہار کی مدد سے پھول بنو۔ آپؐ کے بہارِ اخلاق سے رنگ اور بُو لینا چاہیئے اور آپ کے خلق عظیم سے بہرہ مند ہونا چاہیئے۔ مولانائے رومؒ، جن کے مختصر الفاظ (قطرہ) میں (معانی کے) دریا سموئے ہوئے ہیں، نے کیا خوب فرمایا ہے کہ "خاتم الانبیاء سے اپنے روابط کو توڑے نہ رکھو اور اپنے بلاواسطہ فکر و عمل پر اعتماد نہ کرو"۔ علامہ مرحوم کا مدعا یہ ہے کہ حسنِ اخلاق و عمل کو نبی اکرم کی سیرت و تعلیمات کے تابع ہونا چاہیئے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق کے عشقِ رسول اور رفاقتِ رسول کا ذکر علامہ مرحوم کی کئی تصانیف میں ہے مثلاً بانگِ درا، پیامِ مشرق اور ارمغانِ حجاز) یہاں رموزِ بیخودی کے دو مقامات سے چند اشعار نقل کیے دیتا ہوں:۔

معنیٔ حرفم کنی تحقیق اگر بنگری با دیدۂ صدیق اگر
قوتِ قلب و جگر گردد نبیؐ از خدا محبوب تر گردد نبیؐ
من شبی صدیقؓ را دیدم بخواب گل ز خاکِ راہ او چیدم بخواب
آن امن الناس، بر مولای ما آن کلیم اول سینای ما
ہمت او کشت ملت را چو ابر ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

۵۔ کوئی عارف بھی پیغامبر کی معرفت حاصل نہ کر سکا۔ البتہ عرفا آپ کے اوصاف بیان کرتے کرتے گنگ ہو گئے۔ جس کسی کو خدا نے کشف کی توفیق نہ دی، اسے نبی اکرم کے اوصاف کا کچھ علم نہ ہُوا۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے۔ جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ نبیؐ کو یوں پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو، ان لوگوں کا ایک گروہ البتہ جان بوجھ کر حق کو چھپاتا ہے۔ (قرآن ۲/۱۴۶) ۔ ف ۔

۶۔ نبی اکرم کے نور سے انوارِ نبوت نمودار ہوئے۔ سب انوار آپ کے نور سے ہی ظاہر ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس صاحبِ کرم کے نور کے ماسوا کوئی دوسرا نور اتنا روشن، نمایاں اور حقیقتاً موجود نہیں ہے۔

۷۔ آپ کی ہمت سب پر سبقت لے گئی۔ آپ کا وجود عدم سے آگے نکل گیا اور آپ، کا نام نامی قلم پر سبقت لے گیا اس لیے کہ آپ "قلم" سے قبل موجود تھے۔ آپ ورائے آفاق ہیں اور ظرف، شرف، عرفان، انصاف، رأفت، خوف اور عاطفے میں کوئی دوسرا آپؐ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ سرورِ خلائق۔ آپؐ ہی ہیں۔ آپ کا نام نامی احمدؐ اور عرف "اوحد" (بے نظیر) ہے۔ آپ کا حکم مؤکد بہ اطاعت، آپ کی ذات عظیم، آپ کی صفت امجد اور ہمت بے مثل و منفرد ہے۔

بقیہ (۲) ترجمہ:۔ یعنی اگر میرے اشعار پر غور کرو اور حضرت صدیق اکبر کی نگاہ سے دیکھو تو نبی اکرم دل و جگر کی قوت بنیں گے اور خدائے تعالیٰ سے محبوب ترین جائیں گے۔

ترجمہ (آخری تین شعر):۔ مَیں نے ایک رات حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خواب میں دیکھا۔ میں احترام بجا لایا۔ حضرت صدیقؓ ہمارے کوہِ سینا کے کلیم اول (پہلے مسلمان) تھے اور آپ کی رفاقت اور مالی اعانت کے احسانات کا نبی اکرم نے ذکر فرمایا ہے۔ آپ کی ہمت نے کشتِ اسلام کے لیے ابرِ رحمت کا کام کیا۔ آپ اسلام لانے، غارِ ثور میں نبی اکرم کا ساتھ دینے، غزوۂ بدر میں شرکت کرنے اور نبی اکرم کے پہلو میں دفن ہونے میں "ثانی" (دوم) ہیں۔

۸۔ آپ ظاہر ہیں، مگر صاحبِ باطن بھی ہیں۔ آپ کی نظر عظمت، شہرت، نور، قدر و منزلت اور بصیرت کو زوال نہیں۔ آپ وقوع پذیر حوادث بلکہ مخلوق کے وجود سے قبل بھی مشہور تھے۔ آپ ازل سے قبل موجود تھے اور آپ کے جواہر ابد کے بعد بھی مذکور ہیں۔ آپ کا جوہر پاکیزہ ہے اور آپ کا کلام مظہر نبوت۔ آپ کا مرتبۂ علم، انتہائی بلند ہے اور آپ کا جوہر نور نہ شرقی ہے نہ ہی غربی[۱۳] (دیکھیے قرآن ۲۵/۳۵) آپ کی آبائی بلند نسبت ان کے لقب "اُمّی" سے ہویدا ہے۔

---

[۱۳] مثنوی پس چہ باید کرد، کے یہ اشعار ایسے ہی بیان کی بازگشت ہیں:۔

از دمِ سیراب آن اُمیّ لقب | لالہ رست از ریگِ صحرای عرب
ہر خداوند کہن را او شکست | ہر کہن شاخ از نمِ او غنچہ بست
شیخ ایّوبیؒ، نگاہِ بایزیدؒ | گنجہائے ہر دو عالم را کلید
علم و حکمت، شرع و دین، نظم امور | اندرون سینہ، دلہا ناصبور
این ہمہ یک لحظہ از اوقاتِ اوست | یک تجلی از تجلیاتِ اوست
ظاہرش این جلوہ ہای دلفروز | باطنش از عارفاں پنہاں ہنوز

ترجمہ:۔ اس اُمّی لقب والے کے نفسِ سیراب کے ذریعے صحرائے عرب کی ریت سے اگے۔ آپؐ نے ہر پرانے بت کو پاش پاش کیا مگر پرانی شاخوں نے ان کے نم سے حیاتِ نو حاصل کی۔ علم، حکمت، نظام دین و سیاست اور ان کے حصول کی خاطر دلوں کی بے قراری، نبی اکرمؐ کے اوقات کا ایک لحظہ ہے اور آپ کی تجلیات کی ایک جھلک۔ آپ کا ظاہر ان دلفروز جلوؤں میں منعکس ہے مگر آپ کا باطن عارفوں سے بھی پوشیدہ ہے۔

(۱۴) دیکھئے جاوید نامہ کی فلک مشتری میں "عبدہٗ" کی بحث:۔

جوہر او نے عرب نے اعجم است | آدم است و ہم ز آدم اقدم است
عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر | ما سراپا انتظار، او منتظر

۹۔ نبی پاک کے اشارے سے لوگوں کی معنوی آنکھیں روشن ہوئیں اور وہ کسی قدر اسرار و رموز جان سکے۔ حق آپ کی زبان پر جاری رہا اور راہنمائی آپ کا صدقہ بنی رہی۔ صدق کو آپ نے حرّیت دی۔ آپ، دلیل تھے اور مدلول تھے۔ قلوبِ بستہ کی زنجیروں کو آپ نے ہی کھولا۔ زنگ آلود سینوں کا زنگ آپ نے ہی صیقل فرمایا آپ ایسے قدیم اور غیر حادث کلام کے ساتھ آئے جو مقوّل ہے نہ مخول بلکہ مفعول اور حق سے موصول ہے۔ آپ نے معقولات سے خارج نہایت اور نہایات بلکہ نہایۃ النہایات کی خبر فرمائی۔

۱۰۔ آپ نے بادلوں کے دَل دور فرمائے، اور بیت الحرام کی راہ دکھلائی، کامل اور عظیم آپ ہی ہیں۔ کامل بت شکنی کا حکم آپ سے ہی صدور پایا، آپ، خدا کی طرف سے عزت و احترام کے ساتھ لوگوں کی طرف بھیجے گئے تھے۔

بقیہ (۶) عبدہٗ دہراست و دہر از عبدہٗ ست ما ہمہ رنگیم او بے رنگ و بوست

عبدہٗ با ابتدا بے انتہا ست عبدہٗ را صبح و شام ما کجا ست

یعنی نبی اکرم کا جوہر، عربی ہے نہ عجمی۔ ہے تو یہ جوہرِ آدم، مگر آدم سے قدیم تر بھی ہے۔ عبد (بندہ) اور ہے اور عبدہٗ (اللہ کا خاص بندہ) اور۔ عبد' "دیدار" کا انتظار کرتے رہتا ہے مگر 'عبدہٗ' کا خود دیدار منتظر رہتا ہے۔ 'عبدہٗ' اور 'دہر ایک ہی ہیں۔ 'عبدہٗ' رنگ آلودہ اور اثر پذیر ہیں مگر 'عبدہٗ' کا جوہر رنگ و بو سے مبرا ہے۔ 'عبدہٗ' کا زمانہ عباد (بندوں) کا سا نہیں۔ اس کا آغاز تو ہے مگر انجام اور خاتمہ سے نبے نیاز کر دیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں 'عبد' اور 'عباد' عام انسانوں کے لیے آیا ہے مگر خاص مقربین کو 'عبدی' (میرا بندہ) 'عبادنا' (ہمارے بندے) یا 'عبدہٗ' (اس کے بندے) کہا گیا ہے۔ اقبالؒ نے یہاں سورہ نجم کے حوالے سے (آیت شمار ۱۰) کے "عبدہٗ" کو نبی اکرم کا خاص لقب بنا دیا اور عجیب نکتے پیدا کیے ہیں۔ بعد کا حاشیہ ۱۱ بھی ملاحظہ ہو۔

١١۔ آپ کے سر پر عمامہ (سفید بادل) تھے۔ ان سے نیچے سے برق چمکی، روشنی نمودار ہوئی، بارش شروع ہوئی اور (عالم نباتات میں) ثمر آ گئے۔ جملہ علوم، آپ کے بحرِ علم کا قطرہ ہیں۔ تمام حکمتیں، آپ کی نہر کا غرفہ ہیں اور جملہ زمانے آپ کے عصر کی ایک ساعت ہیں۔ (۵)

١٢۔ حق، حقیقت، صدق اور رفق آپ کے ساتھی ہیں۔ آپؐ، وصلت میں اوّل اور نبوّت میں آخر ہیں۔ حقیقت میں آپ باطن ہیں اور معرفت میں ظاہر۔

١٣۔ کوئی بھی عالم آپ کے علم تک نہ پہنچا اور صاحبِ حکمت، آپ کی حکمت کی

(۵) ملاحظہ ہو حاشیہ ۳۔ مثنوی اسرار خودی کے یہ اشعار بھی دیکھ لیں۔ چوتھے شعر میں ابن حلاجؒ کے آخری جملے کو علامہ مرحوم نے بے حد ترقی دی اور اسے ابدیت محمدؐ کا فلسفہ بنا دیا ہے۔

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است — آبروی ماز نامِ مصطفیٰ است
خاکِ یثرب از فیضِ او چالاک شد — آمد اندر وجد بر افلاک شد
طور موجی از غبارِ خانہ اش — کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش
کمتر از آنی ز اوقاتش ابد — کاسبِ افزائش از ذاتش ابد
ہستیٔ مسلم تجلی گاہِ او — طورہا بالد زخاکِ راہِ او

ترجمہ:۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ کی مرتبت مسلمان کے دل میں ہے۔ ہماری عزت آپ کے نام نامی کی مرہونِ منت ہے۔ سرزمین نجد (وحجاز) آپؐ کے طفیل آسمان پر جا پہنچی۔ کوہ طور مرتبے میں آپ کے گھر کی گرد کے برابر ہے بلکہ یہ گھر کعبے کے لیے بھی "حرم" کا مقام رکھتا ہے۔ ابد آپ کے اوقات کی ایک آن (لحظہ) ہے۔ آپ کی ذات سے 'ابد' کا استمرارِ زمانی موجود ہے۔ مسلمان کی زندگی آپ کی تجلی کی ممنون ہے۔ آپ کی گردِ راہ سے طور بنتے رہے ہیں۔

پہلے شعر کا مفہوم علامہ مرحوم کے ترانۂ ملّی (بانگِ درا) کے درج ذیل شعر میں بھی ملتا ہے کہ:

سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا — اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

کنہ سے مطلع نہ ہوا۔

۱۴۔ایسا اس لیے ہوا کہ آپ "ھو" اور "ھو کی مانند تھے "انا" بھی "ھو" سے ہے اور "ھو" والا "ھو" ہو جاتا ہے۔ (۶)

---

(۶) اقبال نے جاوید نامہ کے فلک مشتری میں ابن حلاج کے ان خیالات کو بڑا موزوں شعری جامہ دیا ہے مگر ان اشعار پر بعض معاصرین نے انتقاد بھی لکھے تھے۔ (دیکھیے حافظ محمد اسلم جیراجپوری مرحوم کی کتاب "نوادرات" میں جاوید نامہ پر تبصرہ) آیۃ شریفہ مارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمیٰ ، (۱۷ : ۸) کی یہ تعبیر مثنوی مولانائے روم رح مختلف فقروں میں بھی موجود ہے :۔

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو — آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نور مصطفیٰ او را بہاست — یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است
پیش او گیتی جبیں فرسودہ است — خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است
عبدہٗ صورت گر تقدیر ہا — اندر و ویرانہ ہا تعمیر ہا
عبدہٗ ہم جانفزا ہم جانستان — عبدہٗ ہم شیشہ ہم سنگ گراں
لا الہ تیغ و دم او عبدہٗ — فاش تر خواہی، بگو "ھو" عبدہٗ
عبدہٗ چند و چگون کائنات — عبدہٗ راز درون کائنات
مدعا پیدا نگردد زین دو بیت — تا نہ بینی از مقام " مارمیت "
معنیٔ دیدار آں آخر زماںؐ — حکم او بر خویشتن کردن رواں
در جہاں زی چون رسول انس و جان — تا چو او باشی قبول انس و جان
باز خود را بین، ہمیں دیدار اوست — سنت او سرّی از اسرار اوست
ای خنک مردی کہ از یک ھوی او — نہ فلک دارد طواف کوی او
وای درویشی کہ ھوئی آفرید — باز لب بر بست و دم درخود کشید

(ترجمہ، بالترتیب :۔ اس آرزو آمیز اور رنگ و بو والے عالم کی جملہ رونق حضرت محمد مصطفیٰ کے

۱۵۔ کوئی بھی خارجی شے، محمدﷺ کے "م" سے باہر نہیں اور کوئی داخلی شے ایسی نہیں جو اس کی "ح" میں داخل نہ ہو۔ آپ کی "ح" ایک دوسرا "م" ہے اور "د" پہلا "م" ہے۔ "د" عزت دوام کا مظہر ہے اور "م" خدا سے قربت کا مقام۔

بقیہ ترجمہ ۱۴۔ نور سے ہے۔ عالم کا ایک حصہ حضور پاک کے نور سے مستنیر ہونے کی ابھی جستجو کر رہا ہے۔

ایک دنیا آپ کے سامنے جبین گستر اور مطیع رہی مگر اپنے آپ کو وہ "عبدہٗ" (اللہ کا بندہ) کہتے رہے۔ عبدہٗ سے تقدیریں بنیں۔ اس نے انقلابات اور تعمیرات دکھائے۔ جہاد و قتال اور اصلاحات کے ذریعے آپ نے سنگ حق سے کام لیا اور باطل کے شیشے چور چور کر ڈالے۔ لا الہ الا اللہ کو ایک تلوار فرض کر دو تو "عبدہٗ" اس تلوار کی دھار ہوگا۔ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ "ھو"، عبدہٗ ہی ہے عبدہٗ کائنات کا مزاج اور اس کا راز نہاں ہے میرے ان اشعار کو سمجھنے کے لیے اس بات پر غور کرو کہ خدائے تعالیٰ نے عبدہٗ کے کنکریاں پھینکنے کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔

نبی آخر الزماںؐ کے دیدار کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے حکم کی اطاعت کی جائے۔ دنیا میں نبی اکرم کی طرح رہو تاکہ انسان اور جنات تمہارا احترام کریں۔ اطاعت رسول کے ذریعے خود شناس بنو۔ دیدار رسول یہی ہے۔ سنت رسولؐ۔ رسول اکرم کے اسرار میں سے ہے۔

مبارک ہے وہ درویش جس کا "یاھو" کا نعرہ افلاک میں انقلاب لے آئے۔ اس فقیر پر حیف ہے جو "یاھو" کہہ کر عمل کے اعتبار سے چپ سادھے رکھے۔

اوپر آٹھویں شعر میں اقبالؔ نے جس آیہ کریمہ کی طرف اشارہ کیا یہ آیہ مولانائے روم کے ہاں (خصوصاً مثنوی میں) بھی متعدد توجیہات اور تاویلات کے لیے نقل ہوئی ہے اقبال یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام قربت سمجھا رہے ہیں کہ بدر اور حنین وغیرہ کے غزوات میں ان کے کنکریاں پھینکنے کو خدا نے اپنا فعل قرار دیا ہے اور سنت نبیؐ کا تابع مرد مومن بھی اس تائید ایزدی کا مستحق ہو سکتا ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ   غالب و کار آفریں، کار کشا، کارساز (بال جبریل)

"ح" آپ کی حالتِ خاص ہے اور دوسرا "میم" اس حالت کی دوسری علامت ہے۔

۱۶۔ آپؐ کی مثال ظاہر ہے اور آپ کے اعلام نمایاں ہیں۔ آپ کی برہان معروف ہے۔ فرقان آپ کے ساتھ آیا اور اس نے آپ کی زبان کو ناطق اور روح کو منور تر کیا۔ گردنیں آپ کے سامنے جھک گئیں اور اس طرح آپ کے کام کی بنیاد مستحکم اور آپ کی شان مزید بلند ہو گئی۔

۱۷۔ دل میں مرض رکھنے والو! نبی کریم کے راستوں سے بھاگو گے تو راستہ کہاں ملے گا؟ سب حکمار کی حکمتیں آپ کی نورانی حکمت کے مقابلے میں ایسی ہیں جیسے (آفتاب کے مقابلے میں) ریت کے ذرات۔

بقیہ ۱۸: چوتھے اور پانچویں شعر کے کلمات 'ویرانہ ھا' اور 'جان ستان' کو سوئے ادبی پر محمول نہ کیا جائے۔ علامہ مرحوم اصلاح وتعمیر کی بات سمجھا رہے ہیں۔ بالِ جبریل کی نظم "پیر و مرید" کا سوال وجواب بات سمجھا دے گا۔

مرید (اقبال) :- اے نگہ تیری مرے دل کی کشاد کھول مجھ پر نکتۂ حکم جہاد

پیر (رومی) :- نقش حق را ہم بامر حق شکن بر زجاج دوست سنگ دوست زن

طاسین فہم

۱۔ مخلوق کے فہم حقیقت سے مربوط نہیں، اور حقیقتِ تخلیق سے بھی منوط نہیں۔ خواطر، تعلقات کا نام ہے اور مخلوق کے تعلقات حقائق تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب علمِ حقیقت کا ادراک مشکل ہے، تو حقیقتِ حقائق تک کیسے پہنچا جائے؟ حق، حقیقت سے ماورا ہے اور حقیقت، حق سے ورا ہے۔

۲۔ پروانہ صبح تک چراغ کے گرد چکر کاٹتا ہے اور اس وقت 'اشکال' کی طرف مڑتا ہے۔ وہ لطفِ مقال کے اشارے سے چراغ کو اپنی حالت بتا دیتا ہے، اور اس کے بعد وہ واصل ہونے اور کمال پانے کی طلب میں اپنے محبوب سے مل جاتا ہے۔

۳۔ روشنی، چراغ ہے، علم، حقیقت ہے، اس کی حرارت حقیقت حقیقت ہے اور ان باتوں سے آگاہی حسنِ حقیقت ہے۔

۴۔ پروانہ، روشنی اور حرارت سے اس وقت تک راضی نہ ہوا جب تک ان میں غوطہ زن نہ کیا گیا۔ لوگوں نے 'اشکال' کا انتظار کیا تاکہ وہ انہیں 'نظر' کی 'خبر' دے۔ وہ 'نظر' کے سوا 'خبر' پر راضی نہ ہوا، اگرچہ اس کا جسم متلاشی ہوتا رہا اور بے وجود و بے نور قرار دیتا رہا۔ مگر جو کوئی 'نظر' تک پہنچا، وہ 'خبر' سے بے نیاز ہو گیا، اور جو 'منظور' تک پہنچا، اسے 'نظر' کی بھی احتیاج نہ رہی۔ (۷)

(۷) پیامِ مشرق اور ارمغانِ حجاز کے مندرجہ ذیل فارسی اور اردو اشعار ملاحظہ ہوں:۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

۲-۹-۶

۵۔ (پروانہ و چراغ کے) مذکورہ معانی اس فنا پذیر اور "بے روح" شخص سے انطباق نہیں رکھتے۔ جو آرزو و ہوس کی تکمیل میں لگا رہے۔ چونکہ 'من' ہی 'انا' ہے اور 'انا' 'ھو' کے مشابہ ہے، اس لیے اگر میں 'انا' ہو جاؤں تو

بقیہ ۵: شنیدم در عدم پروانہ می گفت — دمی از زندگی تاب و تبم بخش

پریشان کن سحر خاکسترم را — ولیکن سوز و ساز یک شبم بخش

بہل افسانۂ آن پاچراغی — حدیث سوز او آزار گوشہ است

من آن پروانہ را پروانہ دانم — کہ جانش سخت کوش و شعلہ نوش است

ترجمہ:۔ یعنی میں نے سنا کہ پروانہ جہانِ عدم میں زندہ ہو کر خدا سے کہہ رہا تھا کہ "مجھے زندگی کا تب و تاب تھوڑی دیر کیلئے دیا جائے۔ سحر کے وقت مجھے جلا دیا جائے لیکن اس سے قبل رات بھر جلنے کی لذت سے بہرہ مند رکھا جائے۔"

اس چراغ پا پروانے کی بات ہی نہ کرو۔ اس کا افسانۂ زندگی سن کر اذیت ہوتی ہے۔ میرے نزدیک پروانہ وہ ہے جو سخت کوشی دکھائے اور شعلوں کو برداشت کرتا رہے۔ (فوراً جل جانے والا پروانہ، خودی کے فقدان کا مظہر ہے)

تصویر و مصور:۔

تصویر:۔ کہا تصویر نے تصویر گر سے — نمائش ہے مری تیرے ہنر سے

ولیکن کس قدر نا منصفی ہے — کہ تو پوشیدہ ہو میری نظر سے

مصور:۔ گراں ہے چشمِ بینا دیدہ ور پر — جہاں بینی سے کیا گذری شرر پر

نظر درد و غم و سوز و تب و تاب — تو اے ناداں قناعت کر خبر پر

تصویر:۔ خبر، عقل و خرد کی ناتوانی — نظر، دل کی حیاتِ جاودانی

نہیں ہے اس زمانے کی تگ و تاز — سزاوارِ حدیثِ 'لن ترانی'

مصور:۔ تو ہے میرے کمالاتِ ہنر سے — نہ ہو نومید اپنے نقش گر سے

مجھے خوف زدہ نہ کیا جائے۔ (۸)

۶۔ عقل و قیاس کے بندے! یہ خیال نہ کر کہ میں اب 'انا' ہوں یا کبھی تھا۔ میں ایک بے ہنر عارف ہوں اور میری یہ حالت خالص اور بے آمیزش نہیں۔ اگر میں

بقیہ مصرعہ۔ مرے دیدار کی ہے اک یہی شرط — کہ تو پنہاں نہ ہو اپنی نظر سے

اقبال کے اپنے تعرفات بھی پیش نظر رہیں۔ وہ پروانے سے زیادہ کرمک شب تاب (جگنو) کے طرفدار ہیں۔

(۸) پانچویں اور چھٹے جملے کے مطالب اقبال کے تصور خودی سے مطابقت رکھتے ہیں اور علامہ مرحوم نے مثنوی گلشن راز جدید میں ان سے استشہاد فرمایا ہے۔ ارمغان حجاز کی 'انا الحق' عنوان والی دوبیتیوں میں بھی 'انا' اور 'انائے مطلق' (یعنی خودی اور خدا) کے تعلق کا بیان ہے یہاں جاوید نامہ اور مذکورہ مثنوی (مشمولہ زبور عجم) کے چند اشعار تقابلی مطالعے کی خاطر نقل کیے جاتے ہیں۔

بود اندر سینۂ من بانگ صور — ملّتی دیدم کہ دارد قصد گور

مومنان با خو بی دبوی کافران — لا الٰہ گویان واز خود منکران

'امر حق' گفتند نقش باطل است — زانکہ او وابستۂ آب و گل است

من بخود افروختم نار حیات — مردہ را گفتم ز اسرار حیات

از خودی طرح جہانی ریختند — دلبری با قاہری آمیختند

اگر گوئی کہ 'من' وہم و گمان است — نمودش چون نمود این و آن است

بگو با من کہ دارای گمان کیست؟ — یکی در نگر آن بی نشان کیست؟

جہاں پیدا و محتاج دلیلی — نمی آید بفکر جبرائیلی

خودی پنہان ز حجت بی نیاز است — یکی اندیش و دریاب این چہ راز است

خودی را حق بدان، باطل مپندار — خودی را کشت بی حاصل مپندار

وجود کوہسار و دشت و در ہیچ — جہاں فانی، خودی باقی، دگر ہیچ

رھو، میں رہوں، تو 'انا' نہ رہے گی۔ ف۔

(۷) میرے نفس! جان لے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وصحبہٖ کے سوا (انا کے) یہ مطالب کسی دوسرے کو معلوم نہ ہوئے! "محمدؐ، تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں، مگر اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں" (قرآن ۴۰/۳۳)۔

ترجمہ (۸) میرے سینے میں 'انا الحق' کی صدا کا صور تھا۔ (جو میں نے پھونک ڈالا کیونکہ) میں نے معاصرین کو دیکھا کہ نام کے زندے ہیں۔ یہ نام نہاد مومن، عادات اور آداب زندگی میں کافر تھے۔ لا الٰہ الا اللہ تو کہتے تھے (اثبات ذات حق) مگر انا (خودی) کے منکر تھے (حالانکہ خودی، خدا کے نور سے مستنیر ہے اور اس کی دیگر صفات کی لافانی) انہوں نے روح انسانی کو بھی فنا پذیر اور باطل نقش قرار دے رکھا تھا۔ میں نے 'انا الحق' کے ذریعے شمع زندگی جلائی اور مردوں کو اسرار حیات سمجھائے۔ اس طرح لوگ 'خودی شناس' دنیا کی بنیاد رکھ سکے اور دلبری اور قاہری (عشق و عقل) کا امتزاج کر سکے ہیں۔

توضیح !۔ اقبال نے کئی جگہ 'انکار خودی' کو 'انکار خدا' سے بڑا جرم قرار دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک منکر خودی، مقر خدا نہیں ہو سکتا۔ جاوید نامہ (خطاب بہ جاوید) میں فرمایا۔

منکر حق نزد ملا کافر است   منکر خود نزد من کافر است

(۱۱) علامہ مرحوم اپنے نظریہ 'خودی' کو 'انا الحق' کی ہی ایک عصری توجیہہ اور تعبیر قرار دیتے رہے ہیں، مثلاً ضرب کلیم' کے ان دو شعروں میں:۔

فردوس میں رومیؔ سے یہ کہتا تھا سنائیؔ   مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ، وہی آش

حلاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر   اک مرد قلندر نے کیا راز خودی فاش

اگر کہیں کہ 'انا' (خودی) ایک موہوم وجود ہے تو ذرا صاحب وہم و گمان ہونے پر تو غور کرو۔ جہاں کا وجود بھی ظاہر ہے گو فرشتہ سیرت منکر 'انا' اسے قبول نہ کریں گے۔ 'خودی' ہر کہیں پنہاں ہے اور غور کریں تو اس کا وجود دلیل وحجت سے بے نیاز ہے۔ خودی کو حق جانیں یہ باطل اور موہوم نہیں ہے اسے بے حاصل کھیتی نہ جانو۔ پہاڑوں اور صحراؤں بلکہ سارے جہان کو فانی اور معمولی جانو مگر 'خودی (انا)' باقی ہے اور ایک حقیقی وجود کی حامل۔

۸۔ جب آپ علم حقیقت کے اعلیٰ ترین مقامات پر پہنچے، تو "دو قوسوں یا اس سے کم، فاصلہ تھا" (قرآن ۹: ۵۳) اور اس کی خبر آپ کے قلب پاک نے دی ہے جو اصل حقیقت تک پہنچتا ہے، اسے اور کیا مراد و مقصود ہوگا؟ وہ جوادِ کریم کے آگے تسلیم ہوجائیگا۔ آنحضور نے جب حضورِ حق سے مراجعت کی، تو فرمایا "خدایا، میرے علم نے تیرے حضور سجدہ کیا اور میرا دل تجھ پر ایمان لے آیا" غایت غایات تک پہنچ کر آپ نے فرمایا تھا: "خداوندا، میں تیری تعریف و مدح کا احاطہ نہیں کر سکتا" اسی طرح حقیقتِ حقیقت تک رسائی پاکر آپ نے کہا: "الہٰی، تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے" نبی کریم ہوا و ہوس سے کٹے اور انتہائی مراد کو پہنچے۔ "آنکھ نے جو دیکھا، دل نے اسے جھٹلایا نہیں"۔ (۱۱ : ۵۳) سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک بھی آپ نے حقیقت کے دائیں بائیں نہ دیکھا (بلکہ نظر عینِ حقیقت پر رہی) "نظر نے کجی نہ کی اور حد سے نہ بڑھی"[9] (قرآن ۵۳/۱۷)

(۸) الف مولانا جمالی دہلوی (م ۹۴۲ھ) نے مندرجہ ذیل شعر میں یہ حقائق جمع کر دیئے اور علامہ اقبال نے اپنے انگریزی خطبات میں اسے نعت کا بہترین شعر قرار دیا ہے:۔

(۸ ب) موسیٰ زہوش رفت بیک جلوۂ صفات — تو عینِ ذات می نگری و در تبسمی

ترجمہ:۔ حضرت موسیٰ صفاتِ باری کے ایک جلوے سے بے ہوش ہوگئے تھے۔ مگر آپ (حضرت محمد) عینِ ذاتِ باری کو دیکھتے رہے اور تبسم فرمایا (واقعۂ معراج کی طرف اشارہ ہے)۔

آیہ مازاغ البصر وما طغیٰ (سورہ النجم) نیز واقعۂ معراج کی ندرت آمیز تعبیرات۔ اقبال کے ہاں موجود ہیں جیسے:۔

اختر شام کی آتی ہے فلک سے آواز — سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رہ یک گام ہے ہمت کیلئے عرشِ بریں — کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات (بانگ درا)

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے — کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں (بالِ جبریل)

دے ولولۂ شوق جسے لذتِ پرواز — کر سکتا ہے وہ ذرہ مہ و مہر کو تاراج

بقیہ :- (۹) مشکل نہیں یارانِ وطن، معرکۂ باز — پُرسوز اگر ہو نفسِ سینۂ دراج
ناوک ہے مسلماں، ہدف اس کا ہے ثریا — ہے سرِّ سراپردۂ جاں، نکتۂ معراج
تو معنیٔ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا — ہے تیرا مدوجزر ابھی چاند کا محتاج (ضربِ کلیم)

برمقامِ خود رسیدن زندگی است — ذات را بی پردہ دیدن زندگی است
مردِ مومن در نسازد با صفات — مصطفیٰ راضی نشد الا بذات
چیست معراج، آرزوی شاہدی — امتحانِ روبروی شاہدی
شاہدِ عادل کہ بی تصدیقِ او — زندگی مارا چو گل را رنگ و بو
در حضورش کس نماند استوار — ور بماند، ہست او کامل عیار
می ندانی آیۂ ام الکتاب — امتِ عادل ترا آمد خطاب؟
آب و تابِ چہرۂ اقوام تو — در جہان شاہد علی الاقوام، تو
نکتہ سنجاں را صلای عام دہ — از علومِ امیّ پیغام دہ
امیّ پاک از ہوی گفتار او — شرحِ رمزِ ما غویٰ گفتار او

ترجمہ :- (فارسی اشعار کا ترجمہ بالترتیب) اپنا انسانی مقام پالینے اور ذاتِ باری کو بے نقاب دیکھنے کا نام زندگی ہے۔ مومن، صفاتِ باری پر ہی اکتفا نہیں کرتا۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ ذات کو دیکھے بغیر قانع نہ ہوئے۔ معراج کیا ہے؟ محبوب کی تلاش اور اس کے سامنے اپنا امتحان دیدار دینے کا نام۔ یہ اس عادل محبوب کے سامنے امتحان دینے کا نام ہے جس کے دیدار کے بغیر ہماری زندگی پھول کے رنگ و بو کی طرح ناپائیدار ہے۔ اس محبوب عادل کے روبرو دیدار کے وقت ہر کوئی استقامت نہیں رکھ سکتا۔ اس کے روبرو استقامت انسان کامل (مردِ مومن) کو ہی نصیب ہو سکتی ہے۔

تجھے وہ آیت مبارک یاد نہیں رہی جس میں تجھے امت عادل کہا گیا ہے؟ (یہ اشارہ قرآن مجید میں دیکھا جائے ۲: ۱۴۳)۔ اے مسلمان! تو اقوام کی آبرو ہے اور ان کے اعمال کا گواہ۔ اس لیے دانش مندوں کو دعوتِ فکر دو اور نبی اُمّی کے فرمودات سے انہیں آگاہ کرو جس کی گفتار میں ہوا و ہوس اور بے راہ روی کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔

طاسین صفا

۱۔ حقیقت کی باتیں تنگ ہیں، اس کے راستے تنگ ہیں اور اس کی آگ شعلہ زا ہے۔ حقیقت کے نزدیک "جدائی" کا مقام ہے۔ سالکِ راہِ "حقیقت" پر چل پڑتا ہے اور ذیل کے مقاماتِ اربعین کی خبر دیتا ہے:۔ ادب، ذہب، سبب، طلب، طرب، عجب، عطب، شرہ، نزہ، صفا، صدق، رفق، عتق، تصریح، ترویح، تمانی، شہود، وجود، عدّ، کدّ، ردّ، امتداد، اعتداد، انفراد، انقیاد، مراد، حضور، ریاضت، حیاطت، اصطلاد، تدبّر، تحیّر، تفکّر، تصبّر، افتقاد، تفحص، رعایت، ہدایت، بدایت، اور تیقّن۔ یہ اصل صفا و صفوت کے مقامات ہیں۔

۲۔ ہر مقام (سلوک) کے لیے علوم ہیں جن میں سے بعض معلوم ہیں اور بعض نامعلوم۔

۳۔ (اہلِ سلوک) بلند تر مقامات پر جانے اور مراتب کے حائز بنتے ہیں۔ پھر یہ اہل "مہل، جہل اور سہل (زمینِ نرم) سے گذر کر لیتے ہیں۔

۴۔ حضرت موسیٰ نے جب اربعین کی مدت پوری کر لی (قرآن ۲۹/۲۸) تو اہل کو ترک کر دیا۔ پھر آپ "حقیقت" کے اہل ہوئے، اور نظر سے ماوراء "خبر" لانے کو چلے تاکہ بڑوں اور چھوٹوں کا فرق نہ رہے۔ فرمایا (قرآن ۱۰/۲۰) میں تم سب کی خاطر "خبر" لاؤں گا۔

۵۔ جب ہدایت یافتہ "خبر" پر راضی ہو گیا، تو طالبِ ہدایت اور مقلد اس پر کیوں راضی نہ ہو گا۔

۶۔ طور کی جانب درخت سے کہا گیا۔ سنا آپ نے درخت سے، مگر "اصل" کے ذریعے۔

۷۔ میری بات (انا الحق) اس درخت میں سے کلام (سنائی دینے) کی مانند ہے۔

۸۔ حقیقت، حقیقت ہے اور خلیقت، خلیقت، خلیقت، ترک کرو تاکہ دھو، بن سکو اور دھو، باعتبارِ اصل "تو" بن جائے۔

۹۔ چونکہ مَیں واصف ہوں، اور واصف کو صاحبِ وصف کے اوصاف بیان کرنے ہوتے ہیں، تو سمجھ لو موصوف کیسا ہو گا؟

۱۰۔ خدا ان (انبیا) سے فرماتا ہے کہ دلیل و برہان کے ساتھ راہ دکھائیں تاکہ مدلول اور دلیلِ دلیل بن سکیں۔

۱۱۔ حضرت موسیٰ نے (بات سن کر) فرمایا تھا: حق نے مجھے عہد و میثاق کے ذریعے مقامِ حقیقت بخشا ہے جس پر میرا رازِ ضمیر شاہد ہے اور میرا یہ راز ماورائے حقیقت ہے۔

۱۲۔ فرمایا: حق نے مجھے بتایا ہے کہ "اس نے میری خاطر میرے علم کو میری زبان کے نزدیک کیا ہے۔ دوری کے بعد اب اس نے مجھے اپنا خاص بندہ بنا لیا اور برگزیدگی و عظمت عطا کی ہے۔" (۱۰)

---

(۱۰) بعض حصے (خصوصاً فقرہ ۲) نامفہوم ہیں۔ لفظ "خبز" (آگ کا انگارہ) میں ابہام ہے۔ (فقرہ ۴ اور ۵) ساتویں جملے کی تعبیرات مثنوی رومی اور گلشن راز (محمود شبستری) میں موجود ہیں کہ جب ایک درخت پر خدائی جلوے پڑنے سے انی انا اللہ (۳۰ : ۲۸) کی آواز آ سکتی ہے تو ایک فنا فی اللہ اور واصل باللہ صوفی کی "انا الحق" کی سی شطحیاتی گفتگو کو کیوں محلِ نظر قرار دیا جائے؟ اقبال کے ہاں "انا الحق" صدائے روح ہے۔ اس الہامی قلبی صدا کا مفہوم یہ ہے کہ انسانی خودی حق ہے اور وہ حق سے مربوط و منوط بھی ہے۔

من از بود و نبود خود خموشم   اگر گویم کہ "ہستم" خود پرستم
ولیکن ایں صدا کا سادہ کیست؟   کسی در سینہ می گوید کہ "ہستم"

بقیہ (۱۰):- بجام نو کہن می از سبو ریز فروغ خویش را برکاخ و کو ریز
اگر خواہی ثمر از شاخ منصور بدل لا غالب الاّ اللہ فرو ریز

ترجمہ:- میں اپنے وجود کے بارے میں خاموش ہوں کیونکہ اپنے وجود و ہستی کے اعلان کو خود پرستی کہا جائے گا مگر یہ تو بتایئے کہ ایک سادہ آواز کے ذریعے دل سے ہستی و موجودگی (خودی) کا یہ اعلان کون کر رہا ہے؟

اب مٹکے سے پرانی شراب نئے جام میں ڈالو اور اس شراب کی چمک گلی کوچوں میں نمایاں کرد- اگر حسین ابن منصور حلاج کی شاخ سے پھل کھانا ہو تو دل میں یہ یقین پیدا کر لو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا ہستی غالب اور مقتدر نہیں ہے۔

وضاحت:- اقبال 'انا الحق' کی تعلیم کو 'خودی' کے جدید تصوّر کی صورت میں پیش کرنے کا اشارہ کر رہے ہیں- ان تصوّرات کو پیش کرنے والوں کی ہمت اور شہامت واضح ہے۔

ابن حلاج مدتوں بدنام رہے اور تختہ دار پر لٹکائے بھی گئے- اقبال بھی 'خودی' کا تصوّر کرنے پر معتوب رہے- نظم اور نثر میں منکرین خودی نے ان پر متعدد حملے کیے ہیں- یہ حملے افلاطون یا حافظ شیرازی کے دفاع میں ہیں اور 'خودی آموزی' کی مخالفت میں بھی- (دیکھیے شرح اسرار خودی از پروفیسر یوسف سلیم چشتی)، جاوید نامے (فلک مشتری) میں اقبال ابن حلاج کی زبانی فرماتے ہیں۔

اس پرانے بت کدے (دنیا) میں ہر دل اپنے زمانے کے مطابق 'خودی' کے بارے میں پردے میں بات کرتا رہا ہے- جسے خودی کے نور سے بہرہ نہ ملا، وہ اپنے عرفان کے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے- برصغیر ہند اور ایران اس کے نور سے تو آگاہ ہیں، مگر اس کی نار (آگ) کی انہیں خبر نہیں- میرے راز دار میرا گناہ یہ تھا کہ میں نے 'خودی' کے نور ا... دونوں کو نمایاں کر دیا تھا- جو میں نے کیا تھا وہ تو بھی کر بیٹھا- اپنے انجام سے ڈرو کہ تم نے بھی مردوں کو میدان محشر میں لا کھڑا کیا ہے:-

ہر زماں ہر دل درین دیر کہن از خودی در پردہ می گوید سخن

بقیہ (۱۰):۔ ہندو ہم ایران ز نورش محرم است　　آنکہ نارش ہم شناسد آں کم است

من ز نور و نارِ او دادم خبر　　بندۂ محرم گناہ من نگر

آنچہ من کردم تو ہم کردی، بترس　　محشرے بر مردہ آوردی، بترس۔

(۱۰۸) یہاں ابن حلاج نے جدائی (فراق و ہجر) کی اہمیت پر زور دیا ہے اور اقبال خواں حضرات دیکھ سکتے ہیں کہ علامہ ممدوح کی تصانیف اسی نقطۂ نظر کی مؤید ہے۔ نظم تسخیرِ فطرت، (پیامِ مشرق) کا صرف ایک شعر شعرِ مشرق کا عندیہ بیان کر دے گا کہ:۔

تو نشناسی ہنوز شوق بمیرد ز وصل　　چیست حیاتِ دوام؟ سوختن ناتمام

اقبالؔ نے ابلیس (پورِ شیاطین) کے 'انکار سجدہ' اور بارگاہ باری تعالیٰ میں اس کی تبعید کو بھی فلسفۂ جدائی کے رنگ میں بیان کیا ہے۔

(ترجمہ) یعنی تمہیں ابھی علم نہیں کہ وصال سے محبت ختم ہو جاتی ہے۔ حیات پائدار، ناتمام طور پر جلتے رہنے (فراق) کا نام ہے۔

طاسین دائرہ (۱۱)

۱۔ پہلا برّانی دائرہ ہے جس تک دروازے سے رسائی کا امکان ہے ۔ دوسرا اندر کی ب ہے اور ناقابلِ رسائی ۔ ب کی طرف دروازہ ہے جہاں پہنچنے پر سالک راستہ بھول جاتے ہیں ۔تیسرا دروازہ (دوسرے کے نیچے والا) حقیقت کا بلند مقام ہے ۔ ف

۲۔ اس بدبخت سالک پر افسوس ہے جو دربستہ دائرہ میں جانا چاہتا ہے ۔ اس کی ہمت اوپر کے نقطے کی طرح ہے ۔ اسے نیچے والے نقطے سے مرکز کا رخ کرنا چاہیئے ۔ ایسے شخص کا تحیّر درمیانی نقطے سے ظاہر ہے ۔

۳۔ دائرہ کا دروازہ نہیں ہوتا ، اور دائرے کے مرکز کا جو نقطہ ہے وہ حقیقت کی مثال ہے ۔

۴۔ حقیقت ایسی حیرت ہے جس کے ظاہر و باطن غائب نہیں اور "اشکال" قبول نہیں کرتی

۵۔ اگر میرے اشارے کو سمجھنا چاہتے ہو تو غور کرو کہ " پرندوں میں سے چار کو پکڑ لو پس ان کو اپنی طرف راغب کر لو " (قرآن ۲۶۰ ، ۲) ایسا اس خاطر ہے کہ حقیقت پرواز نہیں کرتی ۔

۶۔ غیرت ، سالک کو غیبت کے بعد حاضر کرتی ہے ، ہیبت اس کی خلفیت کو روکتی ہے اور غیرت اس کی خلفیت سلب کر لیتی ہے ۔

۷۔ حقیقت اسی قدر سمجھی جا سکتی ہے ۔ اس سے زیادہ دائرہ کے بواطن سے فہم کو

کچھ نہ ملے گا۔

۸۔ دائرے کا محیط نظر آتا ہے، اور دائرہ اس سے ماورا ہیچ ہے۔

۹۔ جو طلب سے عاجز ہے، اسے علمِ حقیقت کی کیا خبر ہے؟ طالبِ علم کے لیے دائرہ حرم ہے۔

۱۰۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو 'حرمی' (صاحبِ حرم) اس لیے کہا گیا ہے کہ آپ دائرۂ حرم سے خارج نہیں ہوئے۔

۱۱۔ آنحضرت، ڈرنے اور رجوع کرنے والے تھے۔ آپ لباسِ حقیقت میں نمودار ہوئے اور خلیقت (صفاتِ مخلوق) کو آپ نے دور فرما دیا تھا۔ ف

---

(۱۱)

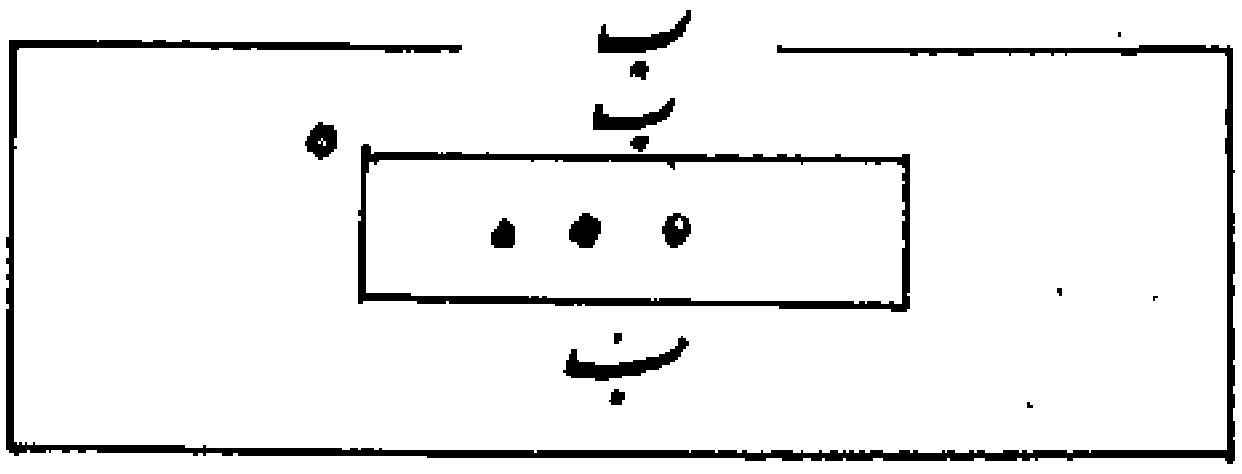

طاسین نقطہ

۱۔ نقطے کا فہم دائرے سے مشکل تر ہے کیونکہ یہ گھٹتا بڑھتا نہیں اور فنا و عدم سے دوچار ہونا، اس کا مقدر نہیں ہے۔ ف

۲۔ منکر شخص، دائرہ برانی میں رہ جاتا ہے۔ وہ میری حالت نہیں سمجھ سکتا۔ اور مجھے زندیق کا لقب دیتا ہے۔ وہ برائی کے تیر میری طرف پھینکتا ہے اور میرا مرتبہ نہیں دیکھ پاتا۔ وہ حرم کی حدود سے ماوراء ہے اور شور مچا رہا ہے۔ ف

۳۔ دوسرے دائرے میں جانے والا مجھے عالم ربانی جانتا ہے۔

۴۔ جو تیسرے دائرے میں جائے، وہ سمجھتا ہے کہ میں امانی (آرزوؤں) کی منزل میں ہوں۔

۵۔ جو دائرۂ حقیقت تک پہنچ جائے، وہ مجھے فراموش کر لیتا ہے اور 'انا' کے اعیان سے غائب ہو جاتا ہے۔

۶۔ "ہرگز پناہ نہیں۔ آج کے دن تمہارا ٹھکانہ تمہارے پروردگار کے پاس ہے۔ آج انسان کو اس کے اگلے پچھلے سب اعمال کی خبر دی جائیگی۔" (قرآن ۷۵: ۱۱-۱۳)

۷۔ منکر، خبر میں کھو گیا، پناہ گاہ کی طرف فرار کر گیا، شور و شغب سے ڈر گیا اور مغرور و متکبر ہو گیا۔

۸۔ میں نے تصوف کے پرندوں میں سے ایک پرندہ دیکھا جس کے دو پر تھے۔ مگر وہ میری شان (انا) کا منکر ہو گیا اور خود بھی پرواز سے رہ گیا۔

۹۔ صوفی نے مجھے صفا کے بارے میں پوچھا۔ میں نے کہا: "اپنے پر پرواز فنا کی

مقراض سے کاٹ دو ورنہ میرے ساتھ پرواز کرنا ترک کردو۔"

۱۰۔ وہ پرندہ تصوّف بولا:۔ "میں اپنے پروں سے دوست کی طرف پرواز کرتا ہوں"۔ میں نے کہا:۔ "اس دعوے پر تعجب ہے۔ اس جیسی تو کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔" (قرآن مجید ۱۱: ۴۲) اس پر وہ بحرِ فہم میں اور ڈوب گیا۔

۱۱۔ فہم و خرد ایسے ہی ڈبوتے ہیں (بحرِ وافر میں ۳ شعر) :۔

میں نے دل کی آنکھ سے اپنے رب کو دیکھا۔ پوچھا: "تو کون ہے؟"۔ فرمایا: "میں کہاں اور کیا نہیں ہوں؟"۔ وہم و قیاس نے کہا "کہاں" اور "میں" "تو" کو تراشا اور بنایا ہے۔ اگر میں ہر "کہیں" ہوں تو تُو کہاں ہے؟۔

۱۲۔ دائرے میں پہلا نقطہ افکار و افہام کا ہے۔ اس کی ایک بُعد، حق سے مربوط ہے اور دوسری باطل سے۔ ف

۱۳۔ نقطہ نام سے، بلندی سے، طلب سے اور طرب سے (قلب) کے نزدیک ہوتا ہے۔ آواز دی اور جاذب کے نزدیک ہُوا۔ غائب ہُوا مگر آنکھ سے نہیں۔ حاضر ہُوا مگر وجود سے نہیں۔ کیسے نگاہ ڈالی اور کیسے دیکھا؟۔

۱۴۔ آپ (نبی اکرمؐ) کو دکھایا گیا اور آپ نے بہتر کا انتخاب فرمایا۔ آپ شہید، شاہد اور مشہود ہوئے اور واصل اور فاصل بنے: "جو دیکھا دل نے اس کی تکذیب نہ کی۔" (قرآن ۱۱: ۵۳)

۱۵۔ آپ کو پنہاں رکھا گیا، اور پھر قرب بخشا گیا۔ آپ کی حمایت کی گئی۔ آپ منتخب کیے گئے اور پھر پروردگار کی طرف بلائے گئے آپ آزمائش میں پڑے پھر آزاد ہوئے۔ اس کے بعد آپ کو قوت اور وسعت عطا ہوئی۔

۱۶۔ قوسین کے فاصلے پر رہے۔ دیکھا اور اس کی تصدیق کی۔ اتنے قریب ہوئے اور مہابت شانِ باری دیکھی۔ عام اسرار و ابصار اور احباب (اصدقا سے دور ہوئے)

اور جدائی اختیار کی تھی۔

۱۷۔ "تمہارے ساتھی محمدؐ گم گشتہ راہ نہیں ہوئے ہیں" (۲-۵۳)۔ آپ وہاں (معراج میں) بجد استوار اور ثابت قدم رہے۔

۱۸۔ یعنی تمہارے ساتھی مشاہدات اور امور رسالت میں گم گشتہ راہ و بے ہدف نہیں اور حد سے بڑھے ہوئے بھی نہیں۔ وہ ذکر کے نسیان سے گم راہ نہ ہوئے اور مشاہدہ کی راہ سے نہ ہٹے، اور فکر کی جولانی نے انہیں بے راہ روی نہ دکھائی۔

۱۹۔ نبی کریم اپنے انفاس اور لحظات میں ذاکر تھے آپ بلا میں صابر اور عطا میں شاکر تھے۔

۲۰۔ "آپ کی گفتار وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے" (۳: ۵۳)۔ آپ سراپا نور تھے اور نور کی طرف بڑھتے۔

۲۱۔ کلام باری کو آپ نے قلب میں جگہ دی۔ اوھام آپ سے دور بھاگ گئے۔ آپ کے مراتب، دوسری مخلوق سے بہت بلند رہے۔ آپ نے نظام ظاہری سے انقطاع کر کے مدت تک تحیرّ اپنایا۔ اور پہاڑوں اور ٹیلوں کے بیچ میں طائر قدس بنے رہے۔ پھر وہاں (معراج) سے روزوں کی شمشیر کے ساتھ مسجد حرام میں آئے۔

۲۲۔ وہاں (معراج میں) آپ نزدیک سے نزدیک تر ہوتے ہوئے حقیقت ازلی و ابدی کے نزدیک ہوگئے۔ آپ کی استواری اور استقامت میں فرق نہ آیا۔ یہ اعجاز تھا جس میں عجز نہ تھا۔ آپ نے اقرب المقامات داعی اور منادی کا مقام پایا۔ آپ لبیک کی صدائیں سنتے رہے اور خود بھی لبیک کہتے رہے۔ آپؐ شاہد علی الناس کے طور پر تعظیم بجالاتے رہے اور شاہد ربانی بن کر زیادہ قرب پاتے رہے۔

۲۳۔ "دو قوس یا اس سے کم فاصلہ تھا" (۹: ۵۳) دو قوس کے فاصلے میں "مکانی بعد" اور حدِ وسط کہاں رہ جاتی ہے! آپؐ نے قوس کو استوار کر کے فاصلۂ مکانی پر غلبہ

پالیا تھا۔

۲۴-۲۵- فرمایا جو شخص دائرے کی دوسری قوس تک نہ پہنچے وہ میری بات کا ادراک نہ کر سکے گا۔ یہ دوسری قوس، لوح کے ماسوا ہے۔

۲۶- دوسری قوس والے کے حروف، حروف عربیّہ کے ماسوا ہیں۔

۲۷- ہاں حرفِ مفرد 'م'، ہی ہے کہ " فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ " (۵۳ : ۱۰) یعنی معراج میں اپنے بندے حضرت محمدؐ پر اللہ تعالیٰ نے جو نازل کیا، سو نازل کیا۔

۲۸- یہ م دوسری قوس کا آخری اسم ہے اور ملکِ ملکوت ہے۔

۲۹- وہ قوس اول کا دوسرا اسم ہے۔ دوسری قوس پہلی کا وتر ہے اور وہ ملک جبروت ہے۔ پہلی قوس ملکِ جبروت ہے اور دوسری ملک ملکوت۔ ان دونوں قوسوں کی کمان ملک الصفات ہے یعنی خاص تجلی کا مکان جہاں سے قدامت کا تیر نکلتا ہے۔ ف

۳۰- حلّاج رضی اللہ عنہ نے فرمایا، قربت کے معنی میں حقیقتِ حق کی صفتِ کلام کے معانی تلاش کیے جاتے ہیں۔ یہ دائرہ کا نقطہ انضباط ہے اور یہ شاہراہِ خلائق نہیں ہے۔ ف

۳۱- حقیقتِ حق، حقائق میں ہے اور وہ دقیقہ دقائق آسان یاب نہیں۔ میدان قرب بہت عریض ہے اور حقائق کے دقائق سے گذرنا، تیز شعلوں سے عبور کرنا ہے۔ ہاں جس نے نبوّت کے مقامِ بلند کے مروی اقوال دیکھے ہوں اور رسالت کی ہدایت کے راستوں کو اختیار کیا ہو، وہ ان معانی کا ادراک کر سکے گا۔

۳۲- یثرب کے مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ آپ معصوم اور کتاب مکنون کے نوشتے کے مطابق مصؤن ہے۔ وہ قرآن مجید میں مذکور 'منطق الطیر' (لسان طائراں) کی طرح ہیں۔ آپؐ، جہاں آنکھ کام نہیں کرتی، وہاں بھی منظور و مسطور ہیں (قرآن ۵۲ : ۲)

۳۳- اے زیاں کار! یہ نہ سمجھ کہ مولائے یثرب نے صرف اہل اور با استعداد کو خطاب کیا ہے (انہوں نے نااہلوں کو بھی اہل بنایا ہے)۔

۳۴۔حقیقت کا نہ کوئی استاد ہے نہ شاگرد۔ اس میں اختیار، تمیز اور تنبیہ بھی نہیں۔ اس میں جو تھا سو ہے۔ یہ بیاباں در بیاباں اور بے حد و حساب ہے۔

۳۵۔معنی فہمی کے دعوے، خام آرزوئیں ہیں کیونکہ راہِ سلوک دور ہے اور حقیقت کی راہ دشوار۔ حق، مجید و بزرگوار ہے۔ اس کی فطرت یکتا، اس کی معرفت، نکرہ اور فکر حقیقت ہے۔ بے بہا اسم اعظم ایک وثیقہ ہے مگر ہماری صفت حرص و رغبت ہے۔

۳۶۔شیطان کی ناموس اس کی لعنت ہے۔ کرات سماوی اس کا میدان ہیں اور نفوس انس و جن، اس کا ایوان۔ عالم حیوانات اس کے لیے مانوس ہے۔ عالم ناسوت اس کا راز ہے۔ اس کی شان مطموس ہے اور اس کا موروث عیاں ہے۔ عروس، اس کا بوستان ہے اور طموس اس کی بنیاد ہے۔

۳۷۔ابلیس کے ارباب مہربان ہیں۔ اس کے ارکان موہبی ہیں۔ اس کا ارادہ مستوی ہے اس کے اعوان سنزلی، اس کے احزان محزبی، اس کے حوالی وسیع اور اس کا وبال، امد (سردی کی موت ہے)۔

۳۸۔اس کے اوراق، مذہب، اس کے لباس، ابریشمی مگر گل آلود اور اس کی گفتگو حال آمیز ہے۔ وہ سراپا آتش و غضب ہے اور اس کے مقابلے میں اللہ توفیق و کامرانی دے(۱۲)

(۱۲) اس طاسین کا سوال و جواب کا شیوہ (جیسے جملہ ۱۱) اور حضرت ختمی مرتبت کے واقعہ معراج کا بیان، نیز آپ کے دیگر اوصاف (شہادت علی المسلمین اور استقامت کامل وغیرہ)۔ تصانیف اقبال میں کئی جگہ مشہود و موجود نظر آتا ہے۔ مثلاً:۔

وہی اصلِ مکان و لامکاں ہے — مکاں کیا شے ہے؟ اندازِ بیاں ہے
خضر کیونکر بتائے کیسے بتائے — اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے
(بال جبریل)

شاہد حالش نبی انس و جان — شاہد صادق ترین شاہدان

بقیہ (۱۲) :- منور شوز نورِ من یرانی" — مژدہ بر ہم مزن تو خود نمانی

ترجمہ :- یعنی مسلمان کے حالات کے شاہد انسانوں اور جنات کے نبی ہیں ۔ جو دنیا بھر کے گواہوں میں سب سے سچے ہیں ۔ (رموز بیخودی ۔ قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے ۲، ۱۴۳)

نبی اکرم کے دیدار سے منور ہو کیونکہ ان کا دیکھنا خدا کے دیکھنے کے مصداق ہے مگر دیدار میں نہ آنکھیں چندھیاؤ مبادہ تمہارا وجود باقی نہ رہے ۔

اقبال نے اس مضمون کو انواع و اقسام کے طریقوں سے بیان فرمایا ہے کہ خودی کی حفاظت ہر حال میں ضروری ہے اس لیے وہ حضرت موسیٰ کے تقاضائے "ارنی" کے طالب نہ تھے ۔

"ارنی" میں بھی کہہ رہا ہوں لیکن — یہ حدیث کلیم و طور نہیں ۔

تھا ارنی گو کلیم ، میں ارنی گو نہیں — اس پہ تقاضا روا ، مجھ پہ تقاضا حرام (بال جبریل)

زبورِ عجم کی ایک غزل کا شعر ہے :-

اگر نظارہ از خود رفتگی آرد حجاب اولیٰ — نگیرد با من این سودا بہا از بس گراں خواہی

ترجمہ :- خدایا ، اگر تیرے دیدار سے بے ہوش ہو جائیں تو پردہ ہی بہتر ہے دیدار کے بدلے بے خودی و بیہوشی کا یہ سودا بہت مہنگا ہے اور میں اس کا روادار نہیں ہوں ۔

طاسین ازل والالتباس

۱۔کبھی معانیٔ گفتار کے برعکس دعووں کی درستی پر توجہ کریں۔مسافرِعالم سرور ابوالمغیث قدس اللہ روحہ نے فرمایا: حضرت احمدؐ اور ابلیس کے علاوہ کسی کے دعوے درست نہ ہوئے۔مگر ابلیس کو انکار نے نظر سے گرا دیا جبکہ حضرت احمد مجتبیٰ کو عین العین کا کشفِ عینی دیا گیا

۲۔ابلیس کو 'اسجد' (سجدہ کر) کا حکم دیا گیا اور حضرت احمد کو 'انظر' (دیکھیں) کا۔ابلیس نے انکار کر دیا اور حضرتِ احمدؐ نے ایسا دیکھاکہ دائیں بائیں کی طرف توجہ نہ کی "آنکھ میں کجی نہ آئی اور نگاہ حد سے نہ بڑھی۔" (۵۳:۱۷)

۳۔ابلیس نے دعویٰ کیا مگر اپنی ہمت و قوت سے اسے مکمل نہ کر سکا۔

۴۔حضرت احمدؐ نے اپنے دعوے کو پورا کر دکھایا۔

۵۔حضرت محمدؐ کا مبارک قول ہے: خدایا میں تجھ سے استواری و استحکام کا طالب ہوں۔نیز فرمایا:۔ اے دلوں کے بدلنے والے! میں تیری حمد و ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا۔"

۶۔فلک کے اوپر ابلیس کا سا کوئی عابد اور موحدّ نہ تھا۔(۱۳)

---

(۱۳) ابلیس کے بارے میں کئی صوفیا، مثلاً شیخ عطار (دیکھیے ان کی مثنوی الٰہی نامہ) اور رومی (مثنوی معنوی) نے نرم رویہ رکھا اور یہ سب بظاہر اس کتاب الطواسین کے زیرِ اثر ہیں۔اقبال نے بھی ابلیس کے بارے میں بہت لکھا مگر وہ بھی اس کتاب سے کافی متاثر ہیں۔ابلیس کی موحدیت (یعنی توحید کی دوستی) کے بارے میں فرماتے ہیں (جاوید نامہ، رومی کی زبانی):۔

۷۔ لیکن اس کے "عین" بگڑ گئے اور وہ "عبدیت" سے "سیر" میں چلا گیا، اور تجرد میں خدا کی عبادت کرنے لگا۔

۸۔ تفرید میں پہنچا تھا کہ اس پر لعنت کی گئی۔ جب زیادہ تفرید کا طالب ہوا تو دور بھگا دیا گیا۔

۹۔ خدا نے کہا، سجدہ کر۔ بولا، لاغیرک۔ خدا نے انکار پر اسے ملعون قرار دے دیا مگر وہ بولا:۔ لاغیرک (تیرا غیر نہیں ہے)۔

بقیہ (۱۳) کہنہ کم خندہ اندک سخن — چشم او بینندۂ جان در بدن
رند و ملا و حکیم و خرقہ پوش — در عمل چون زاہدان سخت کوش
ما جہول او عارف بود و نبود — کفر او این راز را بر ما کشود
عاشقی در نار او وا سوختن — سوختن بے نار او نا سوختن
چاک کن پیراہن تقلید را — تا بیاموزی از و توحید را

ترجمہ (۱۳) بوڑھا، سنجیدہ مزاج اور کم گو۔ اس کی نگاہ بدن میں روح کو بھی دیکھ لیتی ہے۔ وہ رند، ملا، حکیم (فلسفی) اور شیخ خرقہ پوش کا آمیزہ ہے۔ عمل میں زاھد درکا سا محنتی ہے۔ ابلیس کے کفر (انکار سجدہ) نے یہ راز ہم پر واضح کر دیا کہ وہ عارف تخلیق ہے اور ہم جہول اور بے عرفان۔

اس کی آگ (فراق) میں جلنے کو عاشقی اور محبت کہتے ہیں۔ اس آگ میں نہ جلنا۔ کیا جلنا ہے؟ تقلید کے پیراہن کو چاک کر دو تاکہ ابلیس سے حقیقی توحید سیکھ سکو۔

توحید سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ابلیس نے غیر اللہ (مخلوق) کو سجدہ نہ کیا۔
ابن حلاج کی اس کتاب اور شیخ عطار کی مثنوی "الٰہی نامہ" (مقالات ہفتم) میں اس بارے میں کافی لکھا گیا ہے۔ "بال جبریل" میں اقبال فرماتے ہیں:۔

اسے صبح ازل انکار کی جرأت ہوئی کیونکر؟ — مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا۔

۱۰ (بحرِ ہزج میں دو عربی شعر) :-

تجھ سے میرا انکار تیری ہی تقدیس ہے۔ تیرے بارے میں میری عقل شکارِ ہوس ہے۔ مگر تیرے سوا آدم کیا ہے اور ابلیس کیا؟

۱۱۔ بولا مجھے تیرے غیر سے سروکار نہیں۔ مَیں تیرا انتہا پسند محبّ ہوں۔ خدا نے فرمایا تو نے استکبار کیا ہے۔ بولا: اگر ایک لحظہ بھی تیرے ساتھ رہتا تو کبر و استکبار میرے سزاوار ہوتا، مگر مَیں تو مدتِ مدید سے تیرا شناسا ہوں۔ "مَیں آدم سے بہتر ہوں (۱۱/۷)"۔ کیوں بہتر ہوں؟ اس لیے کہ میری خدمت اور بندگی بہت قدیمی ہے۔ عالم میں مجھ سے بڑھ کر تیرا عارف و شناسا کہاں ہے؟ (۱۲)۔ مجھے تجھ سے محبت ہے۔ ایسی محبت و ارادت جو شدید ہے اور قدیمی بھی۔ اب مَیں تیرے ماسوا کو کیا سجدہ کروں؟ بہتر ہے کہ مَیں اپنی اصل کی طرف لوٹ جاؤں۔ "تو نے مجھے آتش سے بنایا ہے۔"

---

(۱۲) گفت و چشم نیم وا بر من کشود | با بیا موزی از و توحید را
آنچناں برکارہا پیچیدہ ام | فرصتِ آدینہ را کم دیدہ ام
از وجودِ حق مرا منکر مگیر | دیدہ بر باطن کشا، ظاہر مگیر
گر بگویم نیست، این از ابلہی است | زانکہ بعد از دید نتوان گفت نیست
من 'بلیٰ' در پردہ 'لا' گفتہ ام | گفتۂ من خوشتر از ناگفتہ ام
دلِ ما از کنارِ مارمیدہ | بصورت ماندہ و معنی ندیدہ
ز ما آن راندۂ درگاہ خوشتر | حق اورا دیدۂ مارا شنیدہ

(ترجمہ)۔ نیم باز آنکھ کے ساتھ ابلیس نے مجھ سے کہا: عمل ہم جتنا کس نے کیا ہوگا! مَیں اپنے کاموں میں ایسا مصروف رہا کہ جمعہ کی چھٹی بھی نصیب نہ ہوئی۔ ظاہر پر جا کر مجھے منکرِ خدا نہ کہو مَیں انکار کروں تو حماقت ہوگی۔ خدا کو دیکھ کر اس کا انکار کرنا چہ معنی دارد؟ مَیں نے انکار کے پردے میں اقرار کیا ہے اور میرا یہ انکار، اقرار سے بہتر ہے۔

(قرآن ۷،۱۱)، مناسب ہے کہ آتش کا ہی رخ کر دں کیونکہ مقدر و اختیار تیرے[15] ہاتھ میں ہے۔

۱۲۔(بحر طویل میں تین عربی شعر)

اب جب کہ مجھے قرب اور بعد ایک جیسے لگے، مَیں تجھ سے دور ہوکر اپنے آپ کو دور نہ جانوں گا۔ مَیں اب جدائی میں ہوں گا، اور تو جدائی میں میرا ساتھی رہے گا۔[16]

---

(۱۵) اقبال نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ (م ۶۳۸ھ) کی الفتوحات المکیہ (جلد سوم) کی ایک عبارت سے 'یزدان و ابلیس' کا ایک مکالمہ مرتب کیا ہے (ضربِ کلیم)، اس کا عنوان 'تقدیر' ہے۔

ابلیس:۔ اے خدائے کن فکاں! مجھ کو نہ تھا آدم سے بیر
آہ! وہ زندانیٔ نزدیک و دور و دیر و زود

حرفِ استکبار تیرے سامنے ممکن نہ تھا
ہاں مگر تیری مشیّت میں نہ تھا میرا سجود

یزداں:۔ کب کھلا تجھ پر یہ راز؟ انکار سے پہلے کہ بعد؟

ابلیس:۔ بعد، اے تیری تجلی سے کمالاتِ وجود۔

(یزداں فرشتوں کی طرف دیکھ کر)

پستیٔ فطرت نے سکھلائی ہے یہ حجت اسے
کہتا ہے 'تیری مشیّت میں نہ تھا میرا سجود'

دے رہا ہے اپنی آزادی کو مجبوری کا نام
ظالم اپنے شعلۂ سوزاں کو خود کہتا ہے دُود

(۱۶) اقبال کے تصورِ ابلیس میں 'جدائی' کا ایک خاص مقام ہے (دیکھیے اوپر حاشیہ ۱۰) انکارِ ابلیس کی توجیہات میں انہوں نے ذوقِ جدائی اور ابلیس کی آتش نژادی کے دعوؤں کو کئی موارد میں بیان کیا ہے:۔

فطرتش بیگانۂ ذوقِ وصال
زہد او ترکِ جمالِ لایزال

تا گسستن از جمال آسان نبود
کارِ پیش افگند از ترکِ سجود

گفت: سادہ زندگی، سوزِ فراق
اے خوشا سرمستیٔ روزِ فراق

بر لبم از وصل می ناید سخن
وصل اگر خواہم نہ او ماند نہ من (جاوید نامہ)

کس قدر ہیچ ہے کہ جدائی اور محبّت ایک چیز کے دو نام ہیں۔ خدایا حمد تیرے لیے خاص ہے۔ میری یہ کامیابی ہے کہ مَیں غلط کام کر کے تجھ سے جدا ہو گیا اور تیرے غیر کو سجدہ نہ کیا۔

بقیہ (۱۶) زندگیٔ سوز و ساز بہ ز سکون دوام | فاختہ شاہین شود از تپش زیر دام
نوریٔ نادان نیم، سجدہ بآدم برم | او بہ نہاد است خاک، من بہ نژاد آذرم (پیامِ مشرق)

ترجمہ:۔ ابلیس کی سرشت وصال کے ذوق سے ناآشنا ہے۔ جمالِ لایزال سے دوری ہی اس کا زہد ہے جمالِ ذات سے دوری اختیار کرنا مشکل تھا اس لیے انکارِ سجدہ کے ذریعے اس نے یہ موقع حاصل کیا۔ ابلیس نے کہا:۔ "سوزِ فراق، سازِ زندگی کا نام ہے۔ جدائی کے دنوں کی سرمستی کا کیا کہنا! مَیں وصال کی بات نہیں کر سکتا۔ وصال کی بات سے میں نابود ہو جاؤں گا۔

سوز و ساز کی زندگی، ہمیشہ کے سکون سے بہتر ہے۔ جال کے نیچے تڑپتے رہنے سے فاختہ میں شاہین آ جاتی ہے۔ مَیں ایک سادہ لوح نوری (فرشتہ) نہیں ہوں کہ آدم کو سجدہ کر دوں۔ آدم کی اصل خاک ہے اور میری آگ۔

(۱۶/۱) ذیل کی دو بیتیوں (ارمغانِ حجاز) میں ابلیس سے خطاب کیا جا رہا ہے۔ دوسری دوبیتی کا خار خارِ جدائی ہی ہے:۔

جدائی شوق را روشن بصر کرد | جدائی شوق را جوینده تر کرد
نمی دانم کہ احوالِ تو چون است | مرا این آب و گل از من خبر کرد
ترا از آستان خود براندند | رجیم و کافر و طاغوت خواندند
من از صبحِ ازل در پیچ و تابم | ازان خارے کہ در دل نشاندند

ترجمہ:۔ جدائی نے محبّت کو روشن بصری اور جستجو دی ہے۔ ابلیس! تیرے حال کی مجھے خبر نہیں مگر میری مشتِ خاک نے جدائی سے مجھے خود آگاہ بنایا ہے۔

تجھے کارکنانِ قضا و قدر نے آستانِ باری سے دور کر دیا۔ تجھے رجیم، کافر، طاغوت

۱۳۔ کوہِ طور کی گھاٹی میں موسیٰ علیہ السلام اور ابلیس کی اتفاقی ملاقات ہو گئی۔ حضرت موسیٰ بولے: ابلیس! تجھے آدم کو سجدے اور (بندگیٔ خدا) سے کس نے روکا تھا؟ ابلیس بولا! معبود واحد کو ماننے کے دعوے نے۔ اگر مَیں سجدہ کر لیتا تو آپ ایسا ہوتا۔ آپ کو ایک مرتبہ کہا گیا کہ پہاڑ کی طرف دیکھ، (۷: ۱۳۹) اور آپ نے دیکھ لیا جبکہ مجھے متعدد بار کہا گیا، اور مَیں نے اپنے دعوے کی روح کے بموجب آدم کو سجدہ نہ کیا۔

۱۴۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا: تو نے خدا کا حکم نہ مانا۔ بولا: وہ میری آزمائش تھی میرے لیے امر نہ تھا۔ حضرت موسیٰ بولے:۔ تیری تو شکل بھی بگڑ گئی۔ بولا! "موسےٰ، وہ شکل قبیس کی تھی، یہ ابلیس کی ہے۔ شکل غیر مستقل ہے، بدلتی رہتی ہے۔ اگرچہ میری شخصیت بدل گئی، مگر میری دائمی معرفتِ خدا نہیں بدلی۔

۱۵۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا، کیا تم اب بھی خدا کا ذکر کرتے ہو؟ بولا!۔ ذکر کو کیسے یاد نہ کروں، مَیں مذکور ہوں اور وہ بھی مذکور ہے۔ اس کا ذکر میرا اپنا ذکر ہے۔ مَیں کیا ذاکر کے بغیر رہ سکتا ہے؟ میری خدمت اب خالص تر ہے اور میرے ایّام زیادہ پُر رونق۔ میرے ذکر میں اب زیادہ رعب و جلال ہے۔ پہلے مَیں اپنے سرور کی خاطر خدمت کرتا رہا، اور اب میں اس کے سُرور کی خاطر خدمت میں مشغول ہوں؛

۱۶۔ مَیں نے حرص کو اٹھا دیا۔ انکار کے نفع و نقصان کو بھلا دیا۔ مجھے تنہا اور حیران کیا گیا، پھر دور بھگا دیا گیا تاکہ مَیں مخلصین سے نہ ملوں۔ میری غیرت کا تقاضا تھا کہ مجھے غیروں کی ملاقات سے روک دیا گیا۔ حیرت کی خاطر میری حالت بدلی گئی اور غربت و جدائی کے لیے مجھے حیران کیا گیا اور مجھے مسافر بنا ڈالا گیا۔ میری صحبت نے مجھے محروم کیا اور مجھے دور کیا۔ میرے کشف نے مجھے مہجور بنایا، اور جدائی نے

بقیہ (۱۶) :۔ کے خطابات بھی ملے۔ مگر مَیں صبحِ ازلی سے خار جدائی کے ہاتھوں بے قرار رہا ہوں۔

مجھے کشف دیا۔ میری آرزو کو روکنے کی خاطر مجھے منقطع اور بے بیخ و بن بنا دیا گیا۔

۱۷۔ از روئے تدبیر، مَیں نے خدا کے معاملے میں غلطی نہیں کی۔ تغیّرِ صورت کی مَیں نے پرواہ نہ کی۔ ان ہی امور میں میرا مقدر دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ ابد تک مجھے آگ میں جلاتا رہے مگر مَیں اس کے غیر کو سجدہ نہ کروں گا۔ مَیں اس کے شریک اور کفو کو نہ مانوں گا۔ میرا دعویٰ راست بازوں کا ہے اور میری محبت صادقانہ ہے۔"

۱۸۔ حلاج علیہ الرحمۃ نے کہا:۔ عزازیل کی کیفیت کے بارے میں کئی اقوال ہیں ایک یہ کہ وہ آسمان اور زمین میں نیکی کا داعی رہا ہے۔ دوسرے وہ آسمانوں میں فرشتوں کا معلّم رہا کہ انہیں نیکیاں دکھائے۔ مگر اب زمین میں انسانوں کا داعی ہے کہ انہیں برائیاں دکھائے۔ (۱۷)

---

(۱۷) ابلیس کو شرّ کا نمائندہ مانا جاتا رہا ہے۔ اس ضمن میں دلائل و براہین کی کمی نہیں مگر اقبال، ابلیس کی یہ افادیت بھی بتاتے ہیں کہ اس سے مقاومت کرنے کے نتیجے میں نیکوکاراں کی کوششیں ڈھیلی نہیں پڑتیں۔ اور وہ ہمیشہ فعال اور سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔ جاوید نامہ میں ہی حضرت شاہ ہمدانی (میر سید علی ہمدانی م ۷۸۶ھ) کی زبانی (دراصل ان کی کتاب ذخیرۃ الملوک کے باب ششم میں ایسے ہی لکھا ہوا ہے) اقبال فرماتے ہیں :۔

بندہ کز خویشتن دارد خبر | آفریند منفعت را از ضرر
بزم با دیو است آدم را وبال | رزم با دیو است آدم را جمال
خویش را بر اہرمن باید زدن | تو ہمہ تیغ، آن ہمہ سنگ فسن
تیز تر شو تا فتد ضربِ تو سخت | ورنہ باشی در دو گیتی تیرہ بخت

ترجمہ:۔ خود شناس شخص نقصان کے پہلو سے بھی نفع پا لیا ہے۔ ابلیس کی ہم نشینی انسان کیلئے وبالِ جان ہے مگر اس کی مقاومت اور مخالفت، جمالِ انسانی ہے۔ ابلیس سے مقابلہ کرنا چاہیئے تو تلوار ہے تو وہ اس کی سان ہے اس کے مقابلے میں تیز گام ہو ورنہ دو توں جہان میں نامراد

۱۹۔ اشیاء اپنی 'ضد' سے پہچانی جاتی ہیں جیسے باریک اور درشت حریر۔ فرشتوں نے محاسن انجام دیئے اور اجر پا رہے ہیں مگر جو میرے محاسن کو نہ جانے وہ کیا اجر پائے گا۔

بقیہ (۱۷) اور بدبخت ہو جاؤ گے۔

(۱۷ ب) نیز دیکھیں اس کتاب کا 'فلک عطارد' (حکمت خیر کثیر است) اور 'فلک مشتری' مؤخر الذکر فلک میں ہے۔

یک قبائے سرمئی اندر برش غرق اندر دود پیچان پیکرش
گفت رومیؒ خواجۂ اہلِ فراق آن سراپا سوز و آن خونین ایاق
غرق اندر رزم خیر و شر ہنوز صد پیمبر دیدہ و کافر ہنوز

(ترجمہ) ابلیس نے ایک سیاہ قبا پہن رکھی تھی۔ اس کا وجود دھوئیں میں ڈوبا ہوا تھا۔ رومی بولا۔ یہ اہلِ فراق کا سرخیل ہے۔ سراپا سوز اور خونیں جگر ہے۔ اب تک خیر و شر کے رزم میں شریک ہے صدہا پیغامبر دیکھے مگر کافر ہی رہا۔

(۱۷ ج) بزبانِ ابلیس فرمایا:۔

تا نصیب از درد آدم داشتم قہر یار از بہر او نگذاشتم
شعلہ ہا از کشت زار من دمید او ز مجبوری بہ مختاری رسید
زشتیٔ خود را نمودم آشکار با تو دادم ذوق ترک و اختیار

(ترجمہ) یعنی مجھے چونکہ آدم سے ہمدردی تھی، اس لیے اس کی خاطر میں نے دوست (خدا) کا قہر مول لے لیا۔ میری ہستی کی کھیتی سے شعلے ہی نکلے مگر آدم زاد مجبوری سے مختاری کی منزل تک پہنچ گیا۔ میں نے اپنے آپ کو بُرا ظاہر کر کے تجھے فراق اور اختیار کا ذوق دیا ہے۔

اقبالؒ نے 'نالۂ ابلیس' اور 'ابلیسانِ خاکی و ناری' کے عنوانات کے تحت بے نظیر اور جدت آمیز افکار پیش کیے (بالترتیب جاوید نامہ اور ارمغانِ حجاز میں)۔

علامہ مرحوم یہاں خیر و شر کی آویزش کو بیان کر رہے ہیں۔ ارتقا کے عنوان سے بانگِ درا کا

۲۰۔ مسافرِ عالمِ غربت ابو عمارہ حلاجؒ نے مزید کہا : مَیں نے مشاہدے میں جوانمردی اور ہمت کے بارے میں فرعون اور ابلیس سے مناظرہ کیا۔ ابلیس بولا مَیں نے اگر آدم کو سجدہ کیا ہوتا تو میں جوانمردوں کی صف سے خارج ہو گیا ہوتا۔ فرعون بولا : مَیں اللہ اور اس کے رسول موسیٰ پر ایمان لے آتا تو میں بھی جوانمردی کے مقام سے ساقط ہو جاتا۔

۲۱۔ اس پر مَیں (حلاج) بولا : اگر مَیں اپنے دعوے (انا الحق) سے پھر جاؤں، تو مَیں بھی فتوت و جوانمردی کی بساط سے نکال دیا جاؤں گا۔

۲۲۔ ابلیس نے کہا تھا : مَیں آدم سے بہتر ہوں۔ ۱۱/۷۔ یہ اس لیے تاکہ اس وقت اسے اپنا ہمسر نظر نہ آتا تھا۔ فرعون نے قوم سے کہا تھا : مجھے اپنے سوا تمہارے لیے کسی دوسرے معبود کے وجود کا علم نہیں ہے (۲۸/۳۸) یہ اس لیے تھا کہ اسے خلق اور حق کا امتیاز حاصل نہ تھا۔

۲۳۔ مَیں نے اب کہا ہے کہ حق کو نہیں پہچانتے تو اس کی علامتوں کو تو جانو۔ اس کی ایک علامت "مَیں" ہوں۔ 'انا الحق' (مَیں حق ہوں یا میرا نفس ناطقہ حق ہے)، کیونکہ میں ہمیشہ حق کے ساتھ رہا ہوں۔ (۱۹)

بقیہ (۱۷۔ ج) ایک قطعہ (حصہ سوم) اس موضوع کو بخوبی روشن کرتا ہے۔ پہلا شعر یوں ہے :۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز   چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

(۱۸) جوانمرد (فتیٰ) جو قول و عمل کو مطابقت دے سکے۔ دیکھیے ماہنامہ 'فکر و نظر' اسلام آباد بابت اپریل و مئی ۱۹۷۰ء میں میرا مقالہ نیز حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کے 'فتوت نامہ'، (ادارہ اوقاف پنجاب لاہور ۱۹۷۱ء) کا مقدمہ۔

(۱۹) اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال کی 'خودی' اور قول 'انا الحق' کے ڈانڈے ملے ہیں۔ اقبال کے دو شعر (بالترتیب زبورِ عجم اور جاوید نامہ) ملاحظہ ہوں :۔

۲۴ - ابلیس اور فرعون میرے استاد ہیں - ابلیس کو آتش سے ڈرایا گیا مگر وہ اپنے دعویٰ کبر پر اڑا رہا - فرعون کو دریا میں غرق کیا گیا مگر وہ انکار پر جما رہا اور ثالثوں[۲۰] کے کہنے پر ایمان نہ لایا - ڈوبتے وقت وہ کہہ بیٹھا "میں ایمان لاتا ہوں - بے شک جس معبود پر بنی اسرائیل ایمان لائے، اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے - ۱۰ : ۹۰" اس پر کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل سے کہا : تو نے اس کے منہ میں اس وقت کنکریاں کیوں نہ ڈالی تھیں ؟ -

---

بقیہ (۱۹) چگویم از 'من' واز توش و تابش | کند 'انا عرضنا' بی نقابش (زبورِ عجم)

'امر حق' گفتند نقشِ باطل است | زانکہ او وابستۂ آب و گِل است (جاوید نامہ)

ترجمہ - میں 'من' (خودی) کی قوت و شکوہ کا بیان کیا کروں - آیۂ امانت اسے ظاہر اور نمایاں کر رہی ہے - لوگوں نے 'روح' کو باطل نقش اور ایک مادی قوت قرار دیا ہے -

(۱۹-۸) یعنی 'خودی' وہ 'امانت الٰہی' ہے جس کا بار زمین و آسمان نہ اٹھا سکے (قرآن مجید ۳۳ : ۷۲) مگر اسے انسان کی تفویض میں دے دیا گیا ہے - دوسرے شعر میں 'امر حق' سے مراد روح یا نفس ناطقہ ہے (قل الروح من امر ربی ۱۷ : ۸۵) بعض مفسرین نے اس 'روح' کو روح الامین (حضرت جبریلؑ) کا کنایہ قرار دیا، مگر اقبال، یہاں ابن حلاجؒ کی تعبیر سے ہی استناد کرتے ہیں کہ انا یا من یا خودی ایک الہامی اور قلبی صدا ہے - اس صدا کو لبیک کہنا خدا شناسی کے مراحل میں سے ہے ؎

زمن گو صوفیان با صفا را | خدا جویان معنی آشنا را
غلام ہمت آں خود پرستم | کہ با نور خودی بیند خدا را (پیامِ مشرق)
خودی چون پختہ گردد لازوال است | فراق عاشقان عین وصال است
شرر را تیز بالے می توان داد | تپید لا یزالے می توان داد
دوام حق جزائے کار او نیست | کہ او را این دوام از جستجو نیست
دوام آن بہ کہ جان مستعارے | شود از عشق و مستی پایدارے

۲۵۔ مجھے مار ڈالیں، مَیں پھانسی پر چڑھایا جاؤں یا میرے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں، مَیں قول 'اناالحق' سے باز نہ آؤں گا۔

۲۶۔ ابلیس کا اصل نام عزازیل تھا؛ ع، علوِ ہمت ہے ز، زیادتی کی دلیل ہے، الف، الفت و محبت ہے، دوسری ز مرتبۂ زہد ہے، ی اس کی آتشیں اصل کی علامت ہے اور 'ل' ان کی تکرار اور مجادلے کی دلیل۔

۲۷۔ خدا نے اس سے فرمایا: تو نے کبر و نخوت سے سجدہ نہ کیا۔ بولا: مَیں بڑا محب ہوں اور محبّت تجھ سے سیکھی ہے۔ اب مجھے کبر اختیار کرنے کا طعنہ دیا جائے یا کچھ اور، مَیں غیر کو سجدہ نہ کروں گا۔ مَیں اپنی عظمت کو کیسے تباہ کر سکتا ہوں؟۔

بقیہ ۱۔ بخود گم بہر تحقیق خودی شو — اناالحق گوئے و صدیق خودی شو

دگر از شنکر و منصور کم گوئے — خدا را ہم براہ خویشتن جوئے (زبورِ عجم)

ترجمہ:۔ میری طرف سے باصفا صوفیوں کو، جو طالبِ خدا اور معانی فہم ہیں کہہ دو کہ مَیں اس خداشناس کا غلام ہوں جو خودی کے نور سے خدا کو دیکھے۔

خودی کامل ہو کر فنا پذیر نہیں ہوتی اور عاشقوں کا فراق، عین وصال بن جاتا ہے شرارِ خودی کو زیادہ شعلہ ور کیا جا سکتا ہے اور اس سے لازوال تپشِ حیات مل سکتی ہے، خودی دوام کی جستجو نہ کرے تو اسے حق تعالیٰ کا سا دوام نہیں مل سکتا۔ خودی جانِ مستعار کے ساتھ بھی عشق و مستی کے ذریعے پائدار اور بادوام ہو سکتی ہے۔ خودی کی حقانیت کی خاطر اپنے ضمیر میں غوطہ لگاؤ۔ اناالحق کہو اور صدّیقِ خودی بنو۔ شنکراچاریہ اور ابنِ حلاّج کی باتیں کم کرو اور اپنی راہ و روش کے مطابق خدا کی تلاش کرو۔

شنکر سے مراد شنکراچاریہ ہیں (آٹھویں صدی عیسوی کے ہندو فلسفی) اور اقبال کے ہاں 'منصور' ابنِ منصور (یعنی ابنِ حلاّج — حسین بن منصور حلاّج) کے مترادف ہے۔

(۲۰) حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہم السلام۔

مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا، آدم کو خاک سے، آگ اور خاک ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ان میں توافق نہیں۔ مَیں بندگی میں قدیم، علم و فضل میں ترقی یافتہ اور عمر میں بھی بڑا ہوں۔

۲۸۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے فرمایا: اختیار و مقدّر میرے پاس ہے، ابلیس بولا تمام اختیارات اور میرے بارے میں اختیار بے شک تیرے ہاتھ میں ہے۔ میرے خالق، اختیار تیرے پاس ہے تو سجدہ سے منع کس نے کیا؟ اگرچہ خطا میری ہے مگر منع کرنے والا تو ہی ہے۔ اس لیے مجھے دُور نہ بھگا۔ اگر تیرا ارادہ ہوتا، تو مَیں نے ضرور سجدہ کیا ہوتا اور مَیں اس امر کا مطیع ہوتا۔ مَیں تیرے راز نہیں جانتا مگر تو میرے راز جانتا ہے۔

۲۹۔ (دکبر حقیقت میں تین عربی شعر):-

مجھے ملامت نہ کرو۔ ملامت مجھ سے دور ہے۔ آقا، مجھے میرا اجر دو کیونکہ مَیں اکیلا رہ گیا ہوں۔ تیرا وعدہ سب سے سچا ہے۔ ازل اور ابد میں تیرا امر قابل اطاعت ہے۔ تیرا ارادہٗ عمل پذیر ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ مَیں شہید محبت ہوں۔

۳۰۔ ابلیس کو عزازیل اس لیے کہا گیا کہ اپنے مقام سے ہٹا دیا گیا۔ اپنی ولایت سے معزول ہوا، ہدایت سے نہایت کی طرف نہ مڑا کیونکہ وہاں سے نکل نہ سکتا تھا۔

۳۱۔ استقرار کی وجہ سے اس کا خروج معکوس تھا۔ وہ تعریس کی آگ اور ترویس کے نور سے مشتعل رہا ہے۔

۳۲۔ اس کے مراضِ محیّل اور اس کا مقراض، مبیّض تھی۔ اس کے شراہم، براہمہ، اس کے موارم مخلیہ اور اس کے عمایا، فطہیمہ تھے۔ (۲۱)

---

(۲۱) ۳۱ اور ۳۲ جملے شمارہ بھی ناقابلِ ادراک ہیں۔

۳۳۔ میرے بھائی، اگر تو اسے جان گیا، تو راہ و رسم جان گیا۔ اس وقت تو نے وہم کو وہم بنا لیا، تو غم سے لوٹ آیا اور تو نے غم کو فنا کر دیا۔

۳۴۔ قوم (صوفیہ) کے فصحا اس کے بارے میں گنگ ہیں۔ عرفا اس کے عرفان سے عاجز ہیں۔ وہ حقیقتِ سجود کا عالم تھا، وجودِ ازلی سے اقرب رہا، کوشش میں پُرجوش، عہد میں وفادار اور معبود سے نزدیک رہا ہے۔

۳۵۔ فرشتوں نے موافقت کر کے آدم کو سجدہ کر دیا، مگر ابلیس نے اپنے طویل عرصے کے مشاہدے کی بنا پر اس کام سے انکار کر دیا۔

۳۶۔ ابلیس نے اطاعت و انکار کو غلط ملط کر دیا اور اس کی عقل خراب ہو گئی۔ وہ بولا کہ، میں آدم سے بہتر ہوں، اس طرح وہ حجاب میں پھنس گیا، خاک پھانکنے لگا اور ابدالآباد تک مبتلائے عذاب ہو گیا ہے۔

طاسین مشیّت (۲۲)

۱۔ ان دائروں میں پہلا مشیّت کا ہے۔ دوسرا دائرہ حکمت کا، تیسرا قدرت کا اور چوتھا ازلیّت کی علائم کا حامل ہے۔

۲۔ ابلیس نے کہا تھا: "اگر میں پہلے دائرے میں جاؤں، تو تیسرے میں داخل ہو جاؤں۔ اسی طرح جب دوسرے میں داخل ہو جاؤں تو تیسرے میں پہنچ جاؤں گا، اور اگر تیسرے میں آجاؤں تو چوتھے میں جا پہنچوں گا۔"

۳۔ 'میں لا، لا، لا اور لا ہوں۔ پہلے 'لا' میں میں رہ گیا تھا تو دوسرے میں مجھ پر لعنت کی گئی۔ پھر مجھے تیسرے میں پھینکا گیا اب میں چوتھے میں کیسے جاؤں گا'؟

۴۔ 'اگر پتا لگ جاتا کہ سجدہ سے مجھے رستگاری ملے گی، تو میں ضرور سجدہ کرتا۔ لیکن مجھے علم تھا کہ دائرۂ مشیّت کے سوا اور بھی دائرے ہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر میں نے اس دائرے سے رہائی پالی تو دوسرے دائروں سے کیسے نکلوں گا'،

۵۔ زندہ حقیقی اور زندگی بخش، وہی ذاتِ واحد ہے۔

۶۔ ذات کو اسم سے پہچاننا بھی مشکل ہے کیونکہ اسم، مسمّیٰ کا ممیّز نہیں اور مسمّیٰ، مخلوق نہیں ہے۔

۷۔ جو ذات کے ذریعے ذات کو پہچاننے کا کہے، وہ دو 'معروف' ملا ذلمہ کرنیکا اشارہ کرے گا۔

۸۔ جس کسی نے کہا کہ "میں نے ذات کو اُس کی صفات سے پہچانا"، اس نے صانع کو چھوڑ کر صنعت پر اکتفا کر لیا۔

---

(۲۲)

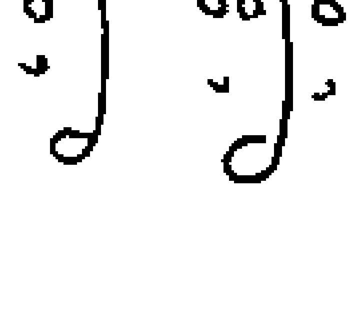

۹- جس کسی نے کہا کہ "مَیں نے ذات کی معرفت سے عجز کا اظہار کر کے معرفت حاصل کر لی"، تو وہ جان لے کہ عاجز، منقطع و مایوس ہوتا ہے اور وہ معروف کا ادراک کیسے حاصل کریگا؟

۱۰- جس نے یہ کہا کہ مَیں نے دیے گئے عرفان کی رو سے ذات کو پہچانا"، اس نے علم کا دعویٰ کیا اور معلوم کی طرف گیا جو ذات سے منفک ہے پس جو ذات سے جُدا ہو، وہ اسے پہچانے گا کیسے؟

۱۱- جس کسی نے کہا کہ "مَیں نے ذات کو ایسے ہی پہچانا جیسا کہ اس نے خود اپنا وصف ذکر کیا ہے" اس نے "اثر" کے بغیر "خبر" پر قناعت کر لی ہے۔

۱۲- جس کسی نے کہا کہ "مَیں نے ذات کو دو عدد تک جان لیا"، اس پر اعتراض وارد ہے کیونکہ واحد 'معروف' شے کے اجزا ہیں نہ اقسام۔

۱۳- جس کسی نے یہ کہا کہ "معروف نے اپنا عرفان حاصل کیا"۔ اُس نے عارف کے بیچ میں عرفان کے حائل ہونے کا کہا حالانکہ وہ ایسا کرنے کا مکلّف ہے۔ ذاتِ معروف جو لم یزل ہے، وہ ازل سے اپنا عارف رہی ہے۔

۱۴- تعجّب ہے کہ جو اپنے مُوئے بدن کا عرفان نہ رکھتا ہو، وہ ظلمت و نور اور بدیع اشیا کو کیسے پہچانے گا؟ جو مجمل و مفصل، آغاز و انجام اور حقائق کے تعاریف و علل نہیں جانتا وہ ذاتِ لم یزل کا صحیح عرفان کیسے حاصل کرے گا؟

۱۵- پاک ہے وہ ذاتِ متعال جس نے اسم اور رسم سے اشیائے غیب کو چھپا رکھا ہے۔ اس نے قال، حال، جمال اور کمال کے ذریعے اشیاء سے اپنی لایزال ذات کو بھی مکنون کر رکھا ہے معرفت کا جوہرِ ربّانی، گوشتِ فانی کے ٹکڑے (دل) میں کیسے سمائے گا؟

۱۶- فہم کے لئے طول و عرض نہیں، طاعت کی خاطر فرائض اور سُنن ہیں، اور مخلوقات زمین و افلاک میں ہیں۔

۱۷- مگر معرفت کی خاطر طول و عرض نہیں، وہ فرائض و سنن کے ظاہر و باطن میں استقرار نہیں

پا سکتی اور زمین و افلاک میں بھی نہیں سما سکتی۔

۱۸۔ جس نے یہ کہا کہ " میں نے حقیقت کے ساتھ ذات کا عرفان پا لیا"، اُس نے "حقیقت" کو "معروف" سے بڑا جلوہ گر کہا ہے۔ ہاں جب وہ 'معروف' کو جان لے تو اسے کم مائیگی معلوم ہو گی۔

۱۹۔ عرفان کا دعویٰ کرنے والے! کائنات میں " ذرّہ " سب سے چھوٹا ہے اور تو اس کا ادراک بھی نہیں کر سکتا۔ جو ذرّے کا ادراک نہ کر سکے، وہ اس چیز کا ادراک کیسے حاصل کرے گا جو از رُوئے تحقیق ذرّے سے باریک تر ہے۔ عارف وہ ہے جو 'دیدار' کرے، معرفت وہ ہے، جو پائیدار رہے،

طاسین توحید

۱۔ حق ، واحد ، احد ، وحید اور مُوحّد ہے ۔

۲۔ واحد اور توحید ، حق میں ہیں ، اور حق سے بھی ۔ ف

۳۔ اس سے جُدائی میں ہوں ، مگر یہ گولائی والی شکل یہ معانی نہیں دیتی ۔

۴۔ توحید کے علوم منفرد اور مُجرّد نوعیّت کے ہیں ۔ ف

۵۔ موحّد کی حالت اور صفت میں فرق ہے ۔

۶۔ مَیں اگر ' انا ' کہوں تو مَیں ' ہُو ' نہ ہوں گا اور میری بات توحید کو منزّہ ہی رکھے گی ۔

۷۔ اگر یہ کہوں کہ توحید مؤحّد کی طرف رجوع کرتی ہے ، تو یہ مخلوق کی توحید کی بات ہو گی ۔ ف

۸۔ اگر مؤحّد کا توحید کی طرف رجوع کرنے کا کہوں ، تو یہ اسکی صفت کا بیان ہے ۔ ف

۹۔ اگر کہوں کہ توحید موحّد سے موحد کی طرف رجوع کرتی ہے ، تو یہ اس کی حد کی نسبت کا ذکر ہو گا ۔

طاسین اسرارِ توحید

۱۔ توحید کے سرچشمے سے اسرار و طواسین پھوٹتے اور پھیلتے ہیں کیونکہ موحّد کے اسما میں اسرار نہیں سماتے اور وہ انہیں ظاہر کر دیتا ہے۔ ف

۲۔ توحید کے ضمائر متحرک ہیں۔ ضمیر، مضمر اور ضمائر رواں دواں ہیں۔

۳۔ تو نے اشارہ کیا اور ضمائر بدلے گئے۔

۴۔ مؤحّد گویا سیسہ پلائی ہوئی بنیاد ہیں (۴ : ۶۱) یہ ان کی حد ہے بلا استثنار حد کے اوصاف، محدود کی طرف ہیں، مگر موحّد (ذاتِ واحد) کی کوئی حد نہیں ہے۔

۵۔ الحق، حق میں رہتا ہے مگر حق نہیں ہے۔

۶۔ توحید کیسے بیان کروں؟ مقال اور حقیقت کے الفاظ، حلق کے لئے بھی صحیح نہیں، تو حق کی خاطر کیسے صحیح ہوں۔

۷۔ اگر کہوں کہ توحید، حق سے ظاہر ہوئی، تو ایک ذات کی دو بن جاتی ہیں —— ایک وہ جو ظاہر ہوئی، اور دوسری جس سے ظاہر ہوئی، حالانکہ ذات واحد ہے۔ ف

۸۔ ذات پوشیدہ تھی اور ظاہر ہوئی، مگر کہاں؟ یہ باتیں اس کے بارے میں کیا کہوں؟ ف

۹۔ اس لیے کہ الفاظِ پرستش اس کی اپنی تخلیق ہیں۔ ف

۱۰۔ جو چیز 'عرض' کو نہ قبول کرے، وہ جوہر ہے۔ جو جسم سے جُدا نہ ہو، وہ جسم ہی ہے اور اسی طرح روح کی قرین روح ہے مگر وہ تو روح کا بھی 'ناضمہ' ہے۔ ف

۱۱۔ کونین کے دائروں میں پہلا دائرہ مفعولات کا ہے اور دوسرا مرسومات کا۔ ف

۱۲۔ نقطۂ توحید ان دو دائرے سے باہر ہے۔ ف

طاسین تنزیہہ (تمام فارسی متن کی رو سے)

۱۔ تنزیہہ کا دائرہ ـــــــ یہ اہل، مہل اور سہل لوگوں کی باتیں ہیں۔

۲۔ پہلا حصّہ اس دائرے کا ظاہر ہے، دوسرا باطن اور تیسرا اشارہ و علامت۔

۳۔ یہ مکوّن، متکوّن، محور، مطرفق، مسمور، منکور، مغرور اور مبہور ہے۔

۴۔ دائرہ کی ضمائر، عائر، حائر، ہائر، نائر اور صابر ہیں۔

۵۔ یہ تمام مکومات اور ملوّنات ہیں اور حق ان افسانوں سے منزّہ ہے۔

۶۔ اگر مَیں "اُوست" کہوں، تو اسے توحید نہیں کہوگے۔

۷۔ اگر مَیں توحید حق کو صحیح ہونا قرار دوں تو وہ ہنوز "درست" ہوئی ہوگی۔

۸۔ اگر مَیں حق کو "بے زبان" کہوں، تو لوگ کہیں گے کہ یہ توجیہہ میں تشبیہہ آگئی جبکہ تشبیہہ، اُوصافِ حق کے سزاوار نہیں ہے۔ توحید کی نسبت حق سے ہے، مخلوق سے نہیں۔ اس لئے کہ مخلوق کی حد ہوتی ہے، اور توحید میں حد بندی اسے حادث بنا دیتی ہے حالانکہ حادث خدا کی صفت نہیں ہے۔ ذات، واحد ہے اور حق و باطل عین ذات سے نہیں نکلے۔

۹۔ اگر کہوں کہ توحید کلام ہے تو کلام ذات کی صفت ہو جاتی ہے۔

۱۰۔ اگر کہوں کہ توحید سے اس نے واحد رہنے کا 'ارادہ' کیا تو 'ارادے' سے ذات کی صفت کا بیان ہوگا، اور مخلوق کی نسبت مراد نہ ہوگی۔

۱۱۔ اگر ذات کی توحید 'اللہ' قرار دوں، تو یہ ذات کی توحید ہوگی صفات کی نہیں

۱۲۔ اگر توحید کو ذات نہ کہوں تو یہ مخلوق قرار پائے گی۔

۱۳۔ اگر اسم اور مسمّی ایک ہوں، تو توحید کے کیا معنی ہوں گے؟

۱۴۔ اگر اللہ اللہ کہوں تو اللہ عین عین ہو گا کیونکہ 'ہو'، 'ہو' ہے۔

۱۵۔ طاسین کا یہ مقام نفیِ علل کا ہے، اور اسے دوسرے دائروں میں

میں ظاہر کرنا ہے۔(۲۳)

۱۶۔ پہلا دائرہ ازل ہے، دوسرا مفہومات، تیسرا جہت اور چوتھا معلومات۔

۱۷۔ ذات، بے صفات نہیں ہے۔

۱۸۔ ایک شخص علم کے دروازے سے اندر آتا ہے اور دیکھتا نہیں۔ دوسرا صفا کے دروازے سے اندر آتا ہے اور نہیں دیکھتا۔ تیسرا فہم کے دروازے سے اندر داخل ہوتا ہے اور نہیں دیکھتا۔ اس طرح چوتھا معنی کے دروازے سے وارد ہوتا ہے اور نہیں دیکھتا۔ وہ نہ ذات دیکھتا ہے نہ شے، اور گفتار دیکھتا ہے نہ ماہیتِ گفتار۔

۱۹۔ عزّت اس اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے جس کے قدس کے صدقے اہلِ معارف کے راستے اور اہلِ کشف کے ادراکات پاکیزہ ہو گئے۔

۲۰۔ طاسین کا یہ مقام نفی و اثبات کی اشکال(۲۴) کا طالب ہے۔

۲۱۔ ایک نقش فکرِ عام کا ہے، اور دوسرا فکرِ خاص و علمِ حق کا۔ علامتِ لا، جو دائرے کا محیط ہے، تمام جہات سے یکساں فاصلے پر ہے۔ دونوں 'ح' توحید کی مظہر ہیں اور محیطِ ماورا حوادث ہیں۔

۲۲۔ عوام کی فکر، بحرِ اوہام میں غوطہ لگاتی ہے اور خواص کی بحرِ افہام میں۔ یہ دونوں بحر خشک ہو جائیں تو راستے مٹ جائیں، دونوں جہاں نابود ہو جائیں، حجتیں مٹ جائیں اور عرفان متلاشی ہو جائے۔

۲۳۔ الوہیتِ رحمان، پاک اور بے آلائش ہے۔ پاک ہے وہ خدا جو تمام نقائص سے منزّہ ہے۔ اس کی برہان قوی اور دلیل غالب ہے۔ وہ جلال، حمد اور کبریائی کا صاحب و مالک

---

(۲۳)

(۲۴)

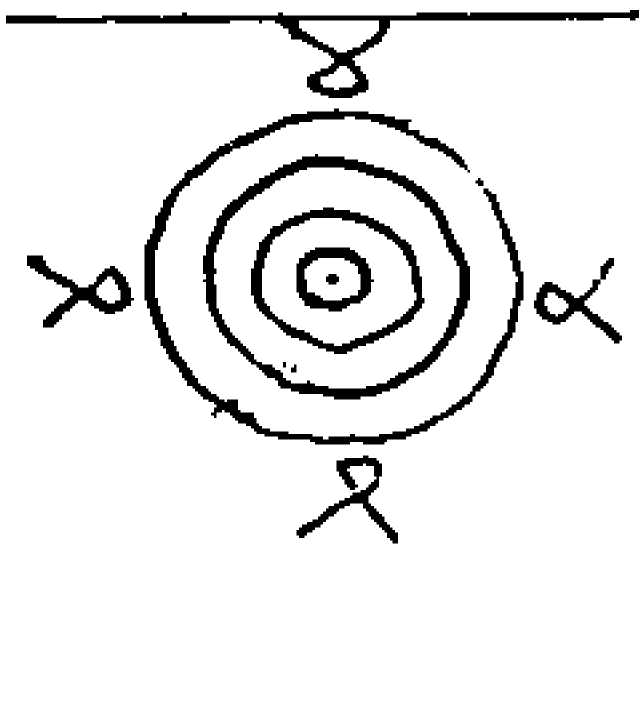

ہے۔ اس کے علم و مقدّرات کی ابتدا و انتہا اور حد نہیں ہے۔ وہ کائنات کا خالق و بدیع اور درکون سے منزّہ ہے۔ اسے اس کی اپنی ذات کے علاوہ کوئی کما حقّہٗ نہیں پہچانتا۔ وہ ارواح و اجسام کا خالق ہے۔

طاسین بوستانِ معرفت

۱۔ مسافرِ عالم سور ابوعمارہ حسین بن منصور حلّاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: "معرفت، نکرہ کے ضمن میں ہو یا معرفہ کے سلسلے میں، وہ مخفی ہے"۔ نکرہ عارف کی صفت و زیور ہے اور جہل اس کی صورت ہے۔ پس معرفت کی صورت افہام سے غائب ہے۔ اس کے عرفان کا اشارہ ملتا ہے، مگر پوری کیفیت معلوم نہیں ہوتی۔ اتنا اشارہ ملتا ہے کہ اسے "کہاں" عرفان ملا، مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ "کہاں" کیا ہے؟ "وصل" کا ملنا معلوم ہوتا ہے مگر اس کی کیفیت نہیں "فصل" (جدائی) کا بھی یہی حال ہے۔ محدود اشارے ملتے ہیں، اور معدود، مجہود اور مکدود نامعلوم رہتے ہیں۔

۲۔ معرفت ورار الورار ہے۔ وہ فاصلے، ہمّت، اسرار، اخبار اور ادراک سے ماورا ہے اس لئے کہ یہ چیزیں نیست ہو سکتی ہیں اور کبھی نیست سے ہست ہوئی تھیں۔ یہ اپنے وجود کے لئے مکان کی محتاج ہیں۔ لم یزل اور جہت و آلات سے بے نیاز نہیں۔ پس جہات معرفت کو کیسے تضمین کریں اور نہایات اس سے کیسے ملحق ہو جائیں؟

۳۔ جو کوئی یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو فنا کر کے ذات کی معرفت پائی تو یہ کیسا دعویٰ ہے؟ کوئی فنا شدہ ذاتِ موجود کو کیسے پائے گا؟

۴۔ جو یہ دعویٰ کرے کہ اپنے 'وجود' کے ذریعے اس نے ذات کا عرفان پایا، تو بتائے کہ ایک 'وجود' کے ہوتے ہوئے دوسرا ہے کہاں؟۔

۵۔ جس کسی نے اپنی جہالت کا اعتراف کیا، وہ ذات کو پہچان گیا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ

جہل، حجاب ہے اور معرفت ماورائے حجاب ہے۔

اور ہر نقص کے مقابلے میں استوار ہو، نیز اس میں چشمِ معشوق کے حلقے کی مانند ایک آن برقرار ہو۔

۲۰۔ علمِ 'ذات' کے جوانب متلاشی اور مسدود ہیں۔ اس کا 'ع' اور 'م' منفک ہیں اور خواطر اس سے منفصل ہیں۔ اس کے راہ کے راغب، راہب و غارب ڈرنے والے غروب ہونے والے ہیں ہیں، مگر اس کے غارب شارق بھی ہیں۔ اس کا بالائی حصّہ ارفع ہے مگر نچلا حصّہ بھی زیادہ پست نہیں ہے۔

۲۱۔ معرفت روشن مکوّنات میں سے ہے۔ جس کے ساتھ نور دائمی طور پر رہتا ہے مگر اسکے راستے مسدود ہیں۔ یہ بے جادہ و راہ ہے۔ اس کے معانی واضح ہیں مگر ان پر دلیل نہیں دی جاسکتی۔ اس کا ادراک مشکل ہے، اور لوگوں کے اوصاف اس سے ملحق نہیں ہو سکتے۔

۲۲۔ صاحبِ معرفت، ایک صاحب کشت ہے جس کا وراق (باغبان) سر مازدہ ہے جس کا لاحق و واصل، نافذ ہے اور جس کی آبیاری کرنے والا ماکد و ساکن ہے۔ اس کشت کا تارک شاکد ہے، اس کا مارق، لافذ ہے، اور اس کا وارع خاصد وگم نام۔ اس سے خائف زاہد ہے اور اس کے درختوں کی اطناب، صعود کے اسباب ہیں۔

۲۳۔ ذات، مونّث و مذکر سے ماورا ہے۔ اس کی بنیاد اس کے ارکان ہیں، اور اس کے ارکان اس کی بنیاد۔ اس کے ساتھی ہمراہ نہیں ملتے۔ 'ہُو' کے سوا کچھ نہیں اور "ہُو" بجز "ہُو" اور کیا ہے؟۔

۲۴۔ عارف وہ ہے جو "دیدار کرے" اور 'مُعرفت' وہ ہے جو پائیدار رہے۔ عارف عرفان کا رفیق ہے کیونکہ اس کا عرفان "ہُو" پر مختتم ہوتا ہے۔ معرفت اس سے ماسوا ہے اور معروف اس سے بھی فراتر اور بعید تر ہے۔

۲۵۔ قصّہ خوانوں کے لیئے قصّے ہیں اور خواص کی خاطر معرفت۔ عام لوگ کلفت و محنت کیلئے ہیں، اہلِ وسواس کے لیئے نری باتیں ہیں، اہلِ یاس کی خاطر بے چینی ہے اور وحشت پسندوں کیلئے

غفلت و گمراہی ہے ۔

۲۶۔ حق ہمیشہ حق رہے گا اور مخلوق، مخلوق اور اس (حقیقت کے اظہار) میں باک نہ ہونا چاہیئے ۔ (۲۵)

تمّت

---

(۲۵) استدراک اور تلخیص

اپنی تالیف 'ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقا' (انگریزی) میں اقبال نے نعرۂ انا الحق کو وحدت الوجود کی ایک تعبیر قرار دیا ہے (کتاب مذکور کا باب پنجم)۔ اپنی ایک دوسری انگریزی کتاب 'اسلام میں فکرِ دینی کی تشکیلِ جدید' کے چوتھے باب میں اقبال نے حلّاج کا دوبارہ ذکر کیا۔ وہ لوئی میسینوں کے اس ترجمہ شدہ متن کی رو سے 'انا الحق' کو 'اثباتِ خودی' کا اعلان قرار دیتے ہیں۔ حلّاج کا یہ قول 'شطحیاتِ عُرفا' کے زمرے میں آتا ہے، اور خودی کے فلسفے کے نقطۂ نظر سے اس پہ نگاہ ڈالنا بڑا دلچسپ ہے، مگر ایک زمانے میں اقبال اس اصطلاح کو قابلِ مذمت جانتے تھے۔ ارمغانِ حجاز میں وہ 'انا الحق' خودی کے لئے نہیں، بلکہ بیخودی (معاشرہ اور قوم) کے لئے سُود مند قرار دیتے ہیں۔

اگر فردی بگوید سرزنش بہ   اگر قومی بگوید، نارو انیست
بہ آں ملّت انا الحق سازگار است   کہ از خونش نم ہر شاخسار است
کند شرح انا الحق ہمتِ اُو   پے ہر 'کُن' کہ می گوید یکون است
مہ و انجم گرفتارِ کمندش   بدستِ اُوست تقدیرِ زمانہ

یعنی اگر کوئی فرد انا الحق کہے تو اسے ایسا کہنے سے باز رکھنا ہی بہتر ہے مگر ملت 'انا ملّت الحق' کہہ سکتی ہے بشرطیکہ اس قوم نے اپنی قربانیوں سے اس کام کی اہلیّت پیدا کر رکھی ہو۔ اس ملّت کی ہمت (باقی آئندہ صفحہ پر)

"کن فیکون" کی مسلسل فعالیت اور سرگرمی ہونا ضروری ہے۔ ایسی ملّت ہو
جو نظامِ کائنات کا انصرام و انتظام کر رہی ہو اور ماہ و انجم اور تقادیر زمانہ
اس کے تابع ہوں۔ انا الحق کہنے والی اس خدائی ملّت کو چاہیے کہ خواب
و خستگی (غفلت اور انفعالیت) کو قریب نہ آنے دے

اس ضمن میں اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاءاللہ (دو جلد، لاہور ۱۹۴۵ء اور ۱۹۵۱ء) پیش نظر
رہیں تو بہتر ہوگا۔ خلاصۂ مقال یہ ہے کہ اقبال کے مندرجہ ذیل موضوعات فکر و سخن پر کتاب الطواسین
کے جزوی یا کلّی اثرات موجود ہیں:

عشقِ رسولؐ، حقیقتِ محمدیؐ، مقامِ صدّیقیّت (حضرت ابوبکر صدیقؓ) خودی (خیر و شر
اور جدائی)، خبر و نظر (عقل و عشق) اور حقیقتِ ابلیس۔

51

اقبالؒ اور ابنِ حلاجؒ

کتاب الطواسین اور تصانیفِ اقبال کا تقابلی مطالعہ

ڈاکٹر محمد ریاض

UNIVERSAL BOOKS
102 Zulqarnain Chambers
Ganpat Road, Lahore.

اسلامک بک فاؤنڈیشن
۲۴۹ این ــ سمن آباد ــ لاہور